وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ

اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے، سمجھے!


| جلد 11 | شمارہ 04 | رجب1438ھ | اپریل2017ء |
|---|---|---|---|

ISSN 2305-6231


ماھنامہ

# حکمتِ بالغہ

جھنگ


مدیر مسئول : **انجینئر مختار فاروقی**

مشاورت

ڈاکٹر محمد سعد صدیقی

حافظ مختار احمد گوندل

پروفیسر خلیل الرحمٰن

محمد فیاض عادل فاروقی

مدیر معاون ونگران طباعت: مفتی عطاء الرحمٰن

تزئین وگرافکس: جواد عمر

قانونی مشاورت:

محمد سلیم بٹ ایڈووکیٹ، چودھری خالد اختر ایڈووکیٹ



ترسیل زر بنام : انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ

اہل ثروت حضرات کے لیے تاحیات زرِتعاون سترہ ہزار روپے یکمشت

سالانہ زرتعاون: اندورنِ ملک 400 روپے، قیمت فی شمارہ 40 روپے



قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر پاکستان پوسٹ کوڈ 35200

047-7630861-7630863

ای میل: hikmatbaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ: www.hikmatbaalgha.com

www.hamditabligh.net



پبلشر: انجینئر مختار فاروقی طابع: محمد فیاض مطبع: سلطان باہو پریس، فوارہ چوک، جھنگ صدر

اَلْکَلِمَۃُ الْحِکْمَۃُ ضَآلَّۃُ الْمُؤْمِنِ فَحَیْثُ وَجَدَھَا فَھُوَ اَحَقُّ بِھَا (ترمذی)

حکمت کی بات بندۂ مومن کی گم شدہ متاع ہے جہاں کہیں بھی وہ اس کو پائے وہی اس کا زیادہ حق دار ہے

# مشمولات


| | | | |
|---|---|---|---|
| 1 | قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات | | 3 |
| 2 | بارگاہِ نبوی میں چند لمحات | | 5 |
| 3 | حرفِ آرزو | انجینئر مختار فاروقی | 6 |
| 4 | .....ایک امیر کی فرضیت و ناگزیریت | پروفیسر عون محمد سعیدی | 9 |
| 5 | دیوبند و بریلی: اختلافات سے مشترکات تک | سراج الدین امجد | 19 |
| 6 | اقبال_پیغامبر حرکت و حرارت | صلاح الدین | 31 |
| 7 | یا اللہ! کوئی نیک حکمران عطا فرما! | مولانا محمد انور چیمہ | 43 |
| 8 | مکہ مکرمہ کی مرکزیت و اہمیت..... | محمد منظور انور | 52 |
| 9 | ردّ الفساد | محمد فہیم | 57 |
| | .....امریکہ کا اعترافِ شکست | | 61 |
| | قرآن فہمی کورس کے شرکاء کے تاثرات | | 63 |


ماہنامہ حکمت بالغہ میں قلمی تعاون کرنے والے حضرات کے مضامین معلومات کے تبادلے اور وسیع تر انداز میں خیر کے حصول اور شر سے اجتناب کے لیے چھاپے جاتے ہیں اور ادارے کا مضمون نگار حضرات سے تمام جزئیات میں اتفاق ضروری نہیں۔

یہ رسالہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو حوالہ ڈاک کر دیا جاتا ہے۔ نہ ملنے کی صورت میں 6 تاریخ تک دفتر رابطہ فرمائیں (ادارہ)

# قرآن مجید

کے ساتھ

# چند لمحات

سورۃ القارعۃ آیات 11، رکوع 1

اس سورۃ مبارکہ میں اوّلاً قیامت کے اچانک پیش آنے والے ہولناک واقعہ کا مختصر بیان ہے کہ جب وہ دن آئے گا تو عام انسان گھبراہٹ اور بے چینی سے ایسے ہو جائیں گے جیسے بکھرے ہوئے پتنگے۔ اور یہ مضبوط پہاڑ بھی (زمین سے اُکھڑ کر) دھنکی ہوئی اُون کی مانند ہو جائیں گے۔ پھر مذکور ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ کی عدالت میں فیصلہ اس بنیاد پر ہوگا کہ انسانوں کے اعمال کا وزن کیا جائے گا۔ جس شخص کے نیک اعمال کا پلہ بھاری ہوگا وہ جنت میں جائے گا جہاں اُسے عیش جاوداں نصیب ہوگی اور جس شخص کے نیک اعمال کا پلہ ہلکا ہوگا وہ دوزخ میں جائے گا جہاں دہکتی آگ کا گڑھا اُس کا ٹھکانہ ہوگا۔

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْقَارِعَۃُ o مَا الْقَارِعَۃُ o

کھڑکھڑانے والی۔ کھڑکھڑانے والی کیا ہے؟

وَ مَا اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَۃُ o

اور تم کیا جانو کہ کھڑکھڑانے والی کیا ہے؟

يَوۡمَ يَكُوۡنُ النَّاسُ كَالۡفَرَاشِ الۡمَبۡثُوۡثِ o

(وہ قیامت ہے) جس دن لوگ ایسے ہوں گے جیسے بکھرے ہوئے پتنگے

وَ تَكُوۡنُ الۡجِبَالُ كَالۡعِهۡنِ الۡمَنۡفُوۡشِ o

اور پہاڑ ایسے ہو جائیں گے جیسے دھنکی ہوئی رنگ برنگ کی اون

فَاَمَّا مَنۡ ثَقُلَتۡ مَوَازِيۡنُهٗ o

تو (اس دن) جس کے (اعمال کے) وزن بھاری نکلیں گے

فَهُوَ فِىۡ عِيۡشَةٍ رَّاضِيَةٍ o

وہ دل پسند عیش میں ہوں گے

وَ اَمَّا مَنۡ خَفَّتۡ مَوَازِيۡنُهٗ o

اور جس کے وزن ہلکے نکلیں گے

فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ o

اس کا مرجع ''ہاویہ'' ہے

وَمَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا هِيَهۡ o

اور تم کیا سمجھے کہ ''ہاویہ'' کیا چیز ہے؟

نَارٌ حَامِيَةٌ o

وہ دہکتی ہوئی آگ ہے

صَدَقَ اللّٰهُ الۡعَظِيۡم

قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ ﷺ

كَلِمَتَانِ خَفِيۡفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيۡلَتَانِ فِى الۡمِيۡزَانِ حَبِيۡبَتَانِ اِلَى الرَّحۡمٰنِ

دو کلمے زبان پر ہلکے، اعمال کے ترازو میں بھاری اور رحمٰن کے پسندیدہ ہیں

سُبۡحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمۡدِهٖ سُبۡحَانَ اللّٰهِ الۡعَظِيۡمِ

# بارگاہِ نبوی ﷺ میں چند لمحات

## قَالَ النَّبِیُّ ﷺ

**اَلْحَیَاءُ مِنَ الْاِیْمَانِ** (مسلم، عن ابن عمر رضی اللہ عنہما)

حیا ایمان کا حصہ ہے۔

**اِنَّ الْحَیَاءَ وَ الْعِیَّ مِنَ الْاِیْمَانِ وَ ھُمَا یُقَرِّبَانِ مِنَ الْجَنَّةِ وَ یُبَاعِدَانِ مِنَ النَّارِ وَ الْفُحْشُ وَ الْبَذَاءُ مِنَ الشَّیْطَانِ وَ ھُما یُقَرِّبَانِ مِنَ النَّارِ و یُبَاعِدَانِ مِنَ الْجَنَّةِ** (طبرانی عن ابی امامہ رضی اللہ عنہ)

بے شک حیا اور (جھگڑنے میں) بدکلامی نہ کرنا ایمان کی وجہ سے ہیں اور یہ دونوں جنت کے قریب کرتے ہیں اور دوزخ سے دُور کرتے ہیں۔ اور بے حیائی اور بدکلامی شیطان سے ہیں اور یہ دونوں دوزخ کے قریب کرتے ہیں اور جنت سے دُور کرتے ہیں۔

# 23مارچ کا تاریخی دن

## استحکامِ پاکستان کے لئے ہمہ قسم کے فساد کے ردّ کی ملک گیر مہم کی

# اشد ضرورت

انجینئر مختار فاروقی

آج کی زندگی کے ہر شعبے میں فساد نے ڈیرے ڈال رکھے ہیں۔ بازار، مارکیٹیں، شاپنگ مالز، میڈیا ہاؤسز اور سوشل میڈیا، شوبزنس، فلمیں، ڈرامے، سیاست، تعلیمی ادارے، سیرگاہیں حتیٰ کہ ہمارے گھر اور خاندانی ڈھانچہ، ہماری مساجد اور مذہبی طبقات، ہماری سیاست میں اربوں کی کرپشن، اقربا پروری اور لوٹ کھسوٹ، ہماری معیشت میں سود جیسا حرام، جواء سٹہ، چور بازاری اور ملاوٹ، سماجی سطح پر ہندوانہ رسمیں اور مغربی پاپ کلچر و نظریاتی سطح پر سیکولرازم، لبرل ازم اور روشن خیالی، الغرض ہر چہار طرف فساد کا غلبہ ہے۔ اسی طرح اسلام، قرآن اور آئینِ پاکستان سے غدّاری اور شعائرِ اسلام کی اہانت سب فساد کے ذیل آتے ہیں۔ دہشت گردی اس ہمہ گیر فساد کا ایک حصہ یا بالفاظِ دیگر TIP OF THE ICEBERG ہے۔

ہمارے نزدیک ردُّ الفساد کے نام سے جاری ملکی سطح پر یہ مہم بڑی خوش آئند ہے اس کے نتائج جبھی مثبت اور پائیدار ہوسکتے ہیں جب تمام ریاستی سکون یعنی حکومت، پارلیمنٹ، فوج، عدلیہ اور میڈیا کے ساتھ ساتھ ملک کا آسودہ حال اشرافیہ اور مذہبی طبقات سب اسی مشن کی تکمیل کے لئے اپنا قبلہ درست کرلیں۔ یہ کام صرف فوج کے کرنے کا نہیں بلکہ ہر دردمند مسلمان کو اس میں شریک ہونا چاہئے۔

اس ردُّ الفساد مہم کی کامیابی کے لئے مرحلہ وار اور نیک نیّتی سے کام کی ضرورت ہے۔ جہاں تک نیک نیّتی کا معاملہ ہے تو یہ ہر طبقہ کے افراد کا ذاتی اور شخصی احساس ہے جس کے بارے

میں کوئی دوسرا فیصلہ صادر نہیں ہوسکتا ہے البتہ یہ بات حتمی طور پر کہی جاسکتی ہے کہ اس مہم میں سرگرمی سے حصہ لینے والا ہر شہری اپنے سینے میں ضرور ایک دردمند دل رکھتا ہے۔

اس مہم کی کامیابی کے نمایاں مراحل یہ ہیں:

- ہر دردمند مسلمان ضرور خود سچے دل سے ہمہ قسم کے فساد سے توبہ تائب ہو اور آئندہ فساد کی کسی بھی شکل میں شامل نہ ہونے کا عہد کرے اور کم از کم اپنے قریبی لوگوں میں سے ایک قریبی ساتھی کو ضرور اس مہم میں شامل ہونے پر آمادہ کرے۔
- جس بات پر یقین ہوتا ہے وہ بات انسان کی زبان سے نکلتی ہے۔ لہٰذا ـــــ ردُّ الفساد کا دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ ہر دردمند مسلمان جو اس مہم کو 'حق' سمجھتا ہے اور استحکامِ پاکستان کا ذریعہ سمجھتا ہے جہاں بیٹھے، جہاں جائے اور جہاں کام کرتا ہے، موقع ملنے پر اپنے گردوپیش کے لوگوں میں 'فساد' اور کرپشن کے خلاف زبان کھولے اور اصلاح کی نیّت سے دردمندانہ لہجے میں دوسروں کو اس فساد سے بچنے کی مسلسل تلقین کرتا رہے۔

یہ احساس ذاتی اور انفرادی سطح پر ہو ـــــ تو ملکی سطح پر، حکومتی سطح پر اور میڈیا پر بھی نظریۂ پاکستان کی روشنی میں ہمہ قسم کے فساد کے خلاف باقاعدہ ایک منظّم مہم کے ذریعے 'فساد' کی اقسام اور اس کے مہلک اور مہیب نتائج سے قوم کو آگاہ کیا جائے۔ حتیٰ کہ سکولوں میں اساتذہ کے ذریعے بھی طلبہ کو اس سے آگاہی دی جائے۔ نوجوانوں اور ویلفیئر انجمنوں کے ذریعے بھی اس مشن کے لئے عوامی بیداری اور عوامی آگاہی کا کام لیا جاسکتا ہے۔

- اس مہم کے ضمن میں ہمارے خلوص کی ایک پہچان یہ بھی ہوگی کہ ہم اپنے اردگرد دوسرے مخلص اور دردمند لوگوں کو ڈھونڈھیں جو یہی ذہن رکھتے ہیں اور وہ نظریۂ پاکستان (اللہ، رسول، قرآن، آخرت، ختم نبوت وغیرہ) پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے باہمی تعاون ضروری ہے۔ تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى ـــــ نیکی اور خداخوفی کے کاموں میں باہمی تعاون کرو اور مل کر آگے بڑھو اسی میں کامیابی ہے اللہ تعالیٰ کا بھی حکم یہی ہے اور اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ نے بھی یہی فرمایا ہے کہ يَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَة ـــــ مل کر اور منظّم ہو کر ایک امیر کے تحت کام کرنے میں اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرف شامل ہوتی ہے۔

باہمی تعاون کی اس فضا میں فساد کے خاتمے کی ہر مہم یقیناً کامیاب ہوگی۔

- پاکستان ایک نظریاتی ملک ہے اور اسلام ہمارا دین ہے لہٰذا کوئی اجتماعی مہم یہاں کے 97% باسیوں یعنی مسلمانوں کو متحرّک کیے بغیر کامیاب نہیں ہوسکتی اور مسلمانوں کو جذبہ کے ساتھ کسی کام پر آمادہ کرنے کے لئے مذہبی جذبہ کے علاوہ اور کوئی جذبہ کارگر نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا —— ہمارا مشورہ ہے کہ ہمہ قسم کے فساد کے خاتمے کے لئے جو بھی مہم چلائی جائے اس میں قرآن و حدیث کے ساتھ مسلم اکابرین اور بالخصوص کلامِ اقبال اور بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کے اقوال وفرمودات کو عوام میں تحریکی جذبہ بیدار کرنے کا ذریعہ بنایا جائے۔ ان شاء اللہ اس طرح یہ مہم کامیاب ہوگی۔ میڈیا (الیکٹرانک اور پرنٹ) پر بھی اس مہم کے اشتہارات، ٹاک شوز اور مذاکرات کا اہتمام ہو تو ایک مؤثر عوامی بیداری ہوسکتی ہے۔
- ’ردُّ الفساد‘ کے ضمن میں کوئی وقتی مہم چلا کر تھوڑے عرصے میں سمجھ لینا کہ اب فساد ختم ہوگیا ہے یہ ’فساد‘ کی حقیقت کو نہ سمجھنے والی بات ہے۔ ’فساد‘ کی جڑ تو ابلیس اور ابلیسیّت ہے اور یہ ابلیس کمبخت اور اس کی معنوی اور صلبی ذُرّیت اس وقت تک رہے گی جب تک سورج چاندر ہے گا۔ لہٰذا ’ردُّ الفساد‘ کی مہم بھی مرحلہ وار وقفہ وقفہ سے پیش قدمی کرکے اگلے مراحل میں داخل ہونی چاہیے۔ لہٰذا اس معنوی تسلسل کے لئے ہماری تجویز یہ ہے کہ حکومتی ایوانوں پر مؤثر دباؤ ڈال کر ’ہمہ قسم کے فساد‘ کے بارے میں قرآنی آیات سے مزیّن اور احادیث مبارکہ سے معطّر ایسا مواد ہمارے نصاب تعلیم میں شامل کیا جائے جو ہماری آئندہ نسلوں کی بھی رہنمائی کرے اور ہمارے وہ نونہال جو آج سکولوں میں ہیں ان کی آغاز سے ہی صحیح اور پاکیزہ خطوط پر نشوونما ہو سکے تاکہ وہ بڑے ہوکر جب کل اس ملک کی باگ دور سنبھالیں تو ہم مطمئن ہوں کہ ہم نے اپنے ملک کی قسمت صحیح اور اہل ہاتھوں میں دے دی ہے۔

ان باتوں پر ہر سطح اور ہر جگہ تذکرہ ہو، مذاکرہ ہو اور جہاں میں تک کسی کا بس چلے اس مہم کو آگے بڑھائے، یہی ہر سچّے مسلمان سے اس کے دین کا تقاضا ہے اور اس کی بجا آوری پر اس کی نجات ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں پہلے پاکستان اور پھر دنیا میں فساد کے خاتمے کی اس مہم کا حصہ بنائے اور اپنے حصے کا کام کرنے کی توفیق دے۔ آمین۔ ——————

# معاصر جرائد سے دو اہم مضامین

آج اُمت مسلمہ پر جو حالات گزر رہے ہیں وہ دردِ دل رکھنے والے ہر مسلمان پر عیاں ہے۔ ایک حدیث مبارکہ میں ایک ایسے دور کا ذکر ہے کہ غیر مسلم اقوام (یہود، عیسائی اور مشرکین) تم پر ایسے چڑھ دوڑیں گے جیسے کھانا لگ جانے کے بعد آج کل ولیموں میں مہمانوں کو کھانے پر بلایا جاتا ہے اور یہ صورتِ حال مسلمانوں کی 160 کروڑ نفوس کی آبادی کے باوجود بچشم سر نظر آ رہی ہے۔ میانمار، کشمیر، افغانستان، عراق، شام، یمن وغیرہ وغیرہ سب جگہ مسلمان ہی دشمنانِ اسلام کی چیرہ دستیوں کا شکار ہیں اور اس کی وجہ 'وہن' کی بیماری ہے۔ آج اُمت مسلمہ کو جگانے اور اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ اس اتحاد کے لیے مسلمان اُمت کے مختلف مسالک اور طبقات اپنے اندر ایک قیادت اور امارت پر متفق ہوں تو دوسرے مرحلے میں یہ قیادتیں باہمی اتفاق سے ایک حقیقی اور پائیدار اِتحاد بین المسالک بھی قائم کر سکتی ہیں۔

آئندہ صفحات میں ہم معاصر جرائد میں سے 'ماہنامہ متاعِ کارواں' بہاولپور اور 'ماہنامہ الشریعہ' گوجرانوالہ سے دو مضامین نقل کر رہے ہیں۔ ان مضامین میں مجموعی طور پر ہمیں اتحاد بین المسلمین کے اسی جذبے کی رمق نظر آئی ہے جس کے پیش نظر ہدیۂ قارئین ہیں۔ (ادارہ)

1

# اِتحادِ اہل سنّت کے لیے
# ایک امیر کی فرضیت و ناگزیریت

علامہ پروفیسر عون محمد سعیدی مصطفوی

جب سے ہم نے اتحادِ اہل سنت کا علَم بلند کیا ہے اور لوگوں کو ایک امیر بنا کر اس کے جھنڈے تلے جمع ہونے کی دعوت دی ہے تو اس پر کافی چہ میگوئیاں سامنے آئی ہیں۔ طوائف الملوکی کے خوگر، تشتّت و افتراق کے عادی اور نظم و وحدت سے عاری سنی بھائیوں کو مجتمع ہو کر ایک امیر کی سمع و طاعت کا فلسفہ بہت عجیب محسوس ہوا۔ بجائے اس کے کہ وہ اسلام کی اس اہم ترین اساسی فکر کو عملی جامہ پہنانے کے لیے قدم آگے بڑھاتے اُلٹا انھوں نے اپنی توپوں کا رُخ ہماری طرف کر لیا اور یہاں تک بھی کہہ دیا کہ ہماری دعوتِ اتحاد سے افتراق کو ہوا مل رہی ہے۔ ع جو بات کی خدا قسم لاجواب کی۔

ایک دانشور نے تو یہاں تک بھی گوہر افشانی کر دی کہ اِتحاد کے راستے کی سب بڑی رکاوٹ ایک امیر کا تصور ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر ایک امیر کا تصور اتحاد کے راستے کی رکاوٹ ہے تو پھر خود نفس اتحاد کس شے کا نام ہے؟۔ اتحاد وحدت سے ہے اور وحدت ایک ہونے کو کہتے ہیں۔ جس قوم کی سو جماعتیں اور سو امیر ہوں تو کیا اس کو وحدت کہا جائے گا؟ یہ تو خود لفظ وحدت ہی بتا رہا ہے کہ جب تک سب لوگ ایک امیر کے زیر سایہ اس کی بیعت و طاعت کی صورت میں جمع نہیں ہوں گے تب تک وحدت کا تصور محال رہے گا۔

آیئے اس سلسلہ میں شریعت مطہرہ سے راہنمائی لیتے ہیں۔اگر بات سمجھ میں آ جائے تو پھر عافیت صرف اور صرف راہِ شریعت پر چلنے میں ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا:

لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (الانبیاء:22)

(اگر زمین وآسمان میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کئی خدا ہوتے تو وہ دونوں تباہ ہو جاتے)

اس آیت کریمہ سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ ساری کائنات کا خالق و مالک 'ایک' ہی ہے۔اگر خدا ایک سے زائد ہوتے تو زمین وآسمان کا نظام درہم برہم ہو کے رہ جاتا،مگر چونکہ ایسا نہیں ہے اس لیے ان دونوں کا نظام بھی صحیح طور پر رواں دواں ہے۔پس معلوم ہوا کہ دوسرے خدا کا وجود تباہی و بربادی کے سوا کچھ بھی نہیں۔

اسی پہ قیاس کرتے ہوئے ہمیں یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ اگر اہل سنت کے تمام لوگوں کو ایک نظم کے تحت چلانا ہے تو پھر ان کے لیے ایک امیر کا تقرر بھی ضروری ہے۔سو سوا امیروں کا وجود انتشار وافتراق کے سوا کچھ بھی نہیں۔

فطرت کا یہ اصول آپ کو ہر جگہ کارفرما نظر آئے گا۔کسی بھی خلیے کا مرکزہ ایک ہی ہوتا ہے،کسی بھی خاندان کا سربراہ ایک ہی ہوتا ہے،کسی بھی ادارے کا صدر نشین ایک ہی ہوتا ہے،کسی بھی جامعہ کا مہتمم ایک ہی ہوتا ہے اور کسی بھی ٹیم کا کپتان ایک ہی ہوتا ہے۔

☆ ایک امیر کا تقرر حضور ﷺ کی فعلی سنت بھی اور قولی سنت بھی ہے۔سب سے پہلے فعلی سنت کی وضاحت کی جاتی ہے۔حضور ﷺ تیرہ سال مکہ میں رہے تو آپ وہاں تمام مسلمانوں کے واحد امیر تھے،آپ ہی مسلمانوں کے جملہ اُمور کی نگرانی فرماتے اور انھیں ہدایات سے نوازتے تھے۔پھر جب آپ مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو وہاں بھی آپ نہ صرف مسلمانوں کے، بلکہ تمام اہل مدینہ کے واحد امیر قرار پائے۔یہاں بھی آپ ہی اہل مدینہ کے بالعموم اور اہل اسلام کے بالخصوص جملہ معاملات کی نگرانی فرماتے تھے۔اسی طرح جب آپ مسلمانوں کے چھوٹے بڑے لشکر یا جماعتیں روانہ فرماتے تو ان پر بھی ایک امیر ضرور مقرر فرماتے اور اگر آپ بنفس نفیس مدینہ منورہ سے باہر تشریف لے جاتے تو اپنے پیچھے ضرور کسی کو امیر مقرر فرماتے۔

پس معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا بغیر امیر کے رہنا قطعاً قطعاً جائز نہیں۔ یہ حضور ﷺ کی فعلی اور عملی سنت مبارکہ ہے۔ اس پر عمل کرنے میں نفع ہی نفع ہے اور اس کو ترک کر دینے میں خسارہ ہی خسارہ ہے۔ آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ اہل سنت کس زبوں حالی اور کسمپرسی کی حالت میں ہیں۔ ہر طرف سے ان پر یلغار ہی یلغار ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس کی واحد وجہ متفقہ امیر کا عدم تقرر ہے۔ اگر ہم سب کا ایک امیر ہوتا تو ہم دشمن کے لیے تر نوالہ نہ ہوتے اور اپنے حقوق ڈنکے کی چوٹ پر حاصل کرتے۔

☆ یہ حضور ﷺ کے حسن تربیت ہی کا نتیجہ تھا کہ آپ کے وصال کے بعد تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جس مسئلہ پر سب سے پہلا اجماع منعقد ہوا وہ بلا تاخیر ایک متفقہ امیر کا تقرر ہی تھا۔ یہاں تک کہ انھوں نے سرکار دو عالم ﷺ کی تجہیز و تدفین کو بھی فی الحال مؤخر کر دیا۔ گویا ان کے نزدیک متفقہ امیر کا تقرر فرض قطعی کا درجہ رکھتا تھا۔ وجہ اس کی واضح ہے کہ اگر اس دوران کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آ جاتا اور ان کے سر پر کسی امیر کا سایہ نہ ہوتا تو نزاع و انتشار اور فتنہ و فساد کا وقوع یقینی امر تھا۔ متفقہ امیر نہ ہونے کی صورت میں وحدت کی کوئی صورت نہ بن آتی اور اجتماعی نظام میں شدید قسم کی دراڑیں پڑ جاتیں۔ اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے لیے امیر کے بغیر ایک ساعت گزارنے کو بھی ناجائز سمجھا۔ پس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ اجتماعی مفادات کے لیے امیر کا تقرر اور اس کی بیعت و طاعت ضروری ہے۔ بلکہ علماء نے تو یہاں تک بھی لکھا ہے کہ اب بھی سنت یہی ہے کہ اگر کسی قوم کا امیر وفات پا جائے تو اس کی تدفین سے پہلے پہلے قوم کا نیا امیر مقرر کرنا ضروری ہے تاکہ فتنوں اور جھگڑوں سے بچا جا سکے۔

صحابہ کرام اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے اس طرز عمل سے آپ اچھی طرح سمجھ گئے ہوں گے کہ ایک متفقہ امیر کا تقرر کتنا اہم اور لازمی فریضہ ہے۔ اہل اسلام کے نزدیک صحابہ کرام کا اجماع بھی حجت قطعیہ ہے اور سونے پہ سہاگہ یہ کہ حدیث پاک کے مطابق خلفاء راشدین کی اتباع بھی فریضہ شرعیہ ہے۔ حضور ﷺ کا فرمان گرامی ہے: عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْن (مسند احمد، ج:۸۔ مستدرک، ج:۱) (اے میری اُمت! تم پر میری اور میرے منبع ہدایت خلفاء راشدین کی سنت پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے)

مذکورہ تحقیق کی روشنی میں اگر آج اہل سنت کے طرز عمل کو دیکھا جائے تو وہ اس کے بالکل برعکس نظر آتا ہے۔ وہ بڑے مزے سے سوسو جماعتوں اور سوسوامیروں کے زیر سایہ زندگی گزر رہے ہیں اور ساتھ ساتھ اس کے بدترین نتائج بھی بھگت رہے ہیں۔ وہ ہر جگہ اور ہر معاملے میں پس ماندگی کا شکار ہیں۔ ان کی اجتماعی طاقت فنا ہو کے رہ گئی ہے۔ ان کی آواز نحیف ترین اور کمزور ترین آواز سمجھی جاتی ہے۔

بتایا جائے کہ اہل سنت اپنا ایک امیر بنانے کی عظیم الشان سنت پر کب عمل پیرا ہوں گے؟ اگر وہ اس راہ پر چلنے کے لیے تیار نہیں تو پھر وہ ہماری اس بات پر بالکل ناراض نہ ہوں کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے عظیم صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک ایسی سنت کو ترک کر کے جس پر اجماع قطعی بھی منعقد ہو چکا ہے اتنا بڑا ظلم کیا ہے کہ دنیا میں تو ٹھوکریں ان کا مقدر بنی ہی ہوئی ہیں، آخرت میں بھی ان کی معافی مشکل ہو جائے گی۔ ع ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے دیتے ہیں

☆ یہاں ایک اور اہم دلیل بھی پیش نظر رہے کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں جہاں مہاجرین و انصار کا اجتماعی امارت کے لیے یہ شورائی اجلاس منعقد ہوا تھا، وہاں یہ امکان بھی زیر بحث آیا تھا کہ مِنَّا اَمِیْرٌ وَ مِنْکُمْ اَمِیْر ۔یعنی ایک امیر مہاجرین میں سے ہو اور ایک امیر انصار میں سے ہو۔ اس پر حضرت سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: ''بخدا! دو تلواریں ایک نیام میں نہیں سما سکتیں۔'' حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے فرمان کا مطلب یہ تھا کہ بہ یک وقت دو امیروں کا وجود نقصان کا سبب ہے۔ اس سے لوگوں کے مصالح اور مفادات کا تحفظ نہیں ہو سکتا۔ اگر دو امیر ہوں گے تو پالیسیاں بھی دو بنیں گی۔ جس سے باہمی ٹکراؤ ناگزیر ہو جائے گا اور لوگوں کو نقصان اُٹھانا پڑے گا۔ اس لیے امیر ایک ہی ہونا چاہیے۔ سوچنا چاہیے کہ اگر دو امیر بنا دیے جائیں تو نقصان کا خطرہ ہے اور اگر سینکڑوں امیر بنے ہوئے ہوں تو پھر کتنا بڑا خسارہ ہوگا۔ اس کا اندازہ خود ہی لگا لیجیے۔

☆ اس سلسلے میں ایک اہم دلیل حضور ﷺ کا درج ذیل فرمان مبارک ہے:

لَا یَحِلُّ لِثَلَاثَۃِ نَفَرٍ یَکُونُونَ بِأَرْضٍ فَلَاۃٍ اِلَّا أَمَّرُوا عَلَیْھِمْ أَحَدَھُمْ (مسند احمد)

(تین افراد جو ایک بے آب و گیاہ میدان میں سفر کر رہے ہوں ان کے لیے اپنا ایک امیر بنائے بغیر سفر کرنا حلال نہیں)

اس حدیث میں میں لَا یَحِلّ (حلال نہیں ہے) کے الفاظ ارشاد ہوئے۔سب جانتے ہیں کہ حلال کا مقابل حرام ہے اور حرام کا مدمقابل فرض ہے۔لہٰذا معلوم ہوا کہ اگر تین افراد حالت سفر میں ہوں تو شرعاً ان کا اپنے میں سے ایک فرد کو امیر بنانا فرض ہے اور ایسا نہ کرنا حرام ہے۔جب سفر عام سا ہو اور افراد صرف تین ہوں تو ان کا اپنے میں سے کسی ایک کو امیر بنانا فرض ہوا اور جب سفر دین کا ہو اور افراد لاکھوں کروڑوں ہوں تو ان کا بالاتفاق ایک امیر بنا کے نہ چلنا کہاں سے جائز ہو گیا۔

☆ ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ

اِذَا کَانَ ثَلَاثَۃٌ فِی سَفَرٍ فَلْیُؤَمِّرُوا أَحَدَھُمْ (ابوداؤد)

(جب تین افراد حالت سفر میں ہوں تو ان کا آپس میں ایک شخص کو امیر بنالینا واجب ہے)

اس حدیث پاک میں "فَلْیُؤَمِّرُوْا" امر کا صیغہ ہے جو کہ وجوب کا فائدہ دیتا ہے۔اگر تھوڑے سے وقت میں چھوٹی سی جماعت کے لیے ایک شخص کا امیر مقرر کرنا شرعاً واجب ہوا تو بہت سارے لوگوں کے لیے جو سفر کی عارضی حالت میں نہ ہوں بلکہ غلبۂ دین کے مستقل سفر میں ہوں تو ان کا آپس میں ایک مرکزی امیر منتخب کرنا کیوں واجب نہ ہوا۔صرف واجب نہ ہوا بلکہ بطریق اولیٰ واجب ہوا۔۔جس شریعت نے تین مسلمانوں کے بغیر امیر رہنے کو حرام قرار دیا وہ تین سے زائد مسلمانوں کے بغیر امیر رہنے کو کیوں نہ حرام قرار دے گی۔

☆ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا الْاِمَامُ جُنَّۃٌ، یُقَاتَلُ مِنْ وَرَائِہٖ، وَیُتَّقَی بِہٖ (متفق علیہ)

(بے شک امیر ایک ڈھال کی حیثیت رکھتا ہے جس کی قیادت میں دشمن سے لڑائی کی جاتی ہے اور وہ امیر دشمن سے بچاؤ کا ذریعہ ہوتا ہے)

یہ حدیث پاک بھی امیر کی ضرورت و اہمیت کو خوب خوب اجاگر کر رہی ہے۔کتنے واشگاف الفاظ میں ارشاد ہوا کہ امیر ایک ڈھال کی حیثیت رکھتا ہے۔اگر وہ موجود ہوگا تو دشمن سے مقابلہ بھی صحیح طور پر ممکن ہوگا۔اس کا وجود مخالفین کے حملوں سے بچاؤ کا ذریعہ بنے گا ورنہ ہر طرف سے ظلم وستم کی آندھیاں چلتی رہیں گی اور کوئی پرسان حال نہ ہوگا۔آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ

طوائف الملوکی کے شکار اہل سنت کیسی کیسی آفتوں، مصیبتوں، دکھوں اور غموں کے دور سے گزر رہے ہیں۔ سیکولر حکومتوں نے ان کے حقوق چھین رکھے ہیں اور ان کا جینا دوبھر کیا ہوا ہے۔ اس مرض کا واحد علاج فرمانِ رسول کے مطابق ایک متفقہ امیر کا تقرر ہے۔ متفقہ امیر ہی ہر طرح کے دشمن سے بچاؤ کی واحد ضمانت ہے۔

☆ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ بَايَعَ اِمَامًا فَأَعْطَاهُ صَفْقَةَ يَدِهٖ، وَثَمَرَةَ قَلْبِهٖ، فَلْيُطِعْهُ اِنِ اسْتَطَاعَ، فَاِنْ جَاءَ آخَرُ يُنَازِعُهُ فَاضْرِبُوا عُنُقَ الْآخَرِ (مسلم)

(جس نے ایک متفقہ امام کی بیعت کی اور اپنا تن من دھن اس کے سپرد کر دیا تو پھر اس کا فرض بنتا ہے کہ وہ جتنی استطاعت رکھتا ہے اس کے مطابق اس کی پوری اتباع کرے، پھر اگر اس متفقہ امیر کے مقابلے میں کوئی دوسرا شخص امارت کا دعویٰ کر دے اور لڑائی جھگڑا شروع کر دے تو اس دوسرے شخص کو قتل کر دو)

اس حدیث پاک کو بار بار ملاحظہ فرمائیں اور اندازہ کریں کہ حضور ﷺ کے نزدیک ایک متفقہ امیر کا تقرر اور اس کی بیعت و اطاعت کس حد تک ضروری ہے۔ آپ ﷺ نے تو یہاں تک حکم فرما دیا کہ متفقہ امیر کی موجودگی میں کسی دوسرے شخص کا مدعی امارت بن کر اُٹھنا اس حد قبیح و شنیع امر ہے کہ اُس کو بے دھڑک قتل کر دیا جائے۔ خود سوچئے کہ متفقہ امیر کی اہمیت کا اس سے بڑھ کر کیا ثبوت پیش کیا جا سکتا ہے۔

ہوسکتا ہے کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ اس حدیث سے تو ''حکومت وقت'' مراد ہے تو ہم جواباً عرض کریں گے کہ اس حکومت سے حکومت اسلامیہ مراد ہے یا حکومت متغلبہ؟ اگر حکومت اسلامیہ مراد ہے تو پھر اس کا وجود معاشرے میں کہاں نظر آتا ہے۔ پس ایک متفقہ امیر کے ساتھ ساتھ حکومت اسلامیہ لانے کی سر توڑ جدوجہد کرنا بھی ہماری ہی ذِمہ داری ہے۔ ''متفقہ امیر'' جہاں اہلسنّت کی بقاء کے لیے ضروری ہے وہاں ملک میں حکومت اسلامیہ لانے کا بھی واحد راستہ ہے۔

اس طرح اب اہل سنت پر متفقہ امیر کا تقرر دو ہر افرض قرار پایا۔ ایک تو اس لیے کہ

اِذَا کَانَ ثَلَاثَۃٌ فِی سَفَرٍ فَلْیُؤَمِّرُوا أَحَدَھُمْ کے تحت ان کے اجتماعی مفادات کا تحفظ ایک امیر کے تقرر میں ہے اور دوسرا اس لیے کہ ملک میں اسلامی حکومت لانے کا یہی ایک راستہ ہے۔

☆ حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا فرمان مبارک ہے:

اَلا انَّ محمدًا قد مات و لا بُدَّ لھٰذا الدین ممّن یقوم بہ (الفقہ الاسلامی وادلتہ)

(سن لو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے پردہ فرمالیا اور اب اس دین اسلام کے جملہ احکام کو قائم رکھنے کے لیے ایک متفقہ امیر کا وجود ناگزیر ہے (ورنہ سب کچھ درہم برہم ہوجائے گا))

اپنے اس فرمان میں حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی ایک متفقہ امیر کے وجود کو ناگزیر قرار دیا۔

☆ حضرت سیّدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

واللّٰہ مایزع اللّٰہ بسلطان اعظم مما یزع بالقرآن (کنزالعمال)

(اللہ کی قسم! ایک مرکزی امیر کے توسط سے اللہ تعالیٰ لوگوں کو انفرادی واجتماعی گناہوں سے قرآن کی بہ نسبت زیادہ منع کرتا ہے)

یعنی قرآن حکیم سے نصیحت حاصل کر کے بھی لوگ گناہوں سے رُکتے ہیں مگر اس سے زیادہ ایک مرکزی، طاقتور، بااختیار، متفقہ امیر کے سبب سے رُکتے ہیں۔

اپنے اس فرمان میں حضرت سیّدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بھی ایک متفقہ امیر کے وجود کو ناگزیر قرار دیا ہے۔

☆ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا فرمان مبارک ہے: مَا یَزَعُ اللّٰہُ بِالسُّلْطَانِ اَکْثَرَ مِمَّا یَزَعُ بِالْقُرْآنِ۔ (البدایہ والنہایہ)

(اللہ تعالیٰ لوگوں کو مرکزی امیر کے وجود سے قرآن سے بھی بڑھ کر غلط کاریوں سے روکتا ہے)

اپنے اس فرمان میں حضرت سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بھی ایک متفقہ امیر کے وجود کو ناگزیر قرار دیا۔

☆ اگر آپ عقل کی رُو سے دیکھیں تو بھی آپ اسی نتیجہ پر پہنچیں گے کہ اجتماعی معاملات میں جہاں کسی ایک طبقہ کے آپس کے مسائل پیدا ہوتے ہیں وہاں حکومت وقت کی چیرہ دستیوں

سے بھی بہت سے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ایسے میں ایک سوچ اور ایک فکر رکھنے والے طبقہ کا متفقہ طور پر ایک امیر بنالینا جہاں ان کے آپس کے معاملات کے حل کی ضمانت ہے وہاں حکومت وقت کی چیرہ دستیوں سے بھی بچنے کی ضمانت ہے۔متفقہ امیر اپنے طبقہ کے تمام لوگوں کے مصالح اور منافع کو منظّم کرتا ہے اور ان سے ظلم وستم اور لڑائی جھگڑے کو دور کرتا ہے۔

☆ ایک امیر کا تقرر اور اس کی اتباع تو ایک ایسی چیز ہے جس کا نظام اللہ تعالیٰ نے حیوانات میں بھی قائم فرمادیا ہے۔مثلاً شہد کی مکھیوں کی ایک ملکہ ہوتی ہے جو اُن کے جملہ اُمور کو منظّم کرتی ہے۔تمام مکھیاں اس کی اتباع کرتی ہیں، وہ جہاں بھی جاتی ہے مکھیاں اس کے ساتھ جاتی ہیں۔اگر وہ ملکہ فوت ہوجائے تو ساری کی ساری مکھیاں منتشر اور ہلاک ہوجاتی ہیں۔

اسی طرح اونٹوں کا گلہ اس طاقتور اونٹ کے تابع ہوتا ہے جو اُن کے آگے چل رہا ہو۔ جدھر وہ طاقتور اونٹ جاتا ہے باقی سارے بھی ادھر ہی جاتے ہیں۔گویا گلے کے سارے کے سارے اونٹ اس طاقتور اونٹ کے تابع فرمان ہوتے ہیں۔اسی وجہ سے ساربان پہلے اونٹ کو ہی منزل کی طرف لے کے چلتا ہے اور باقی سارے اونٹ خود بخود اس کے پیچھے چلتے رہتے ہیں۔

اگر مکھیوں اور اونٹوں کا یہ حال ہے تو پھر انسان جسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے عقل سے نوازا ہے وہ ایک امیر کی اہمیت وافادیت کو سمجھنے سے کیوں عاجز آ گیا؟۔

☆ ایک شاعر نے کہا تھا:

لَا بُدَّ لِلشَّاۃِ مِنْ رَاعٍ یدبرھا فکیف بالناس ان کانوا بلا وال

(اگر بھیڑوں کے لیے ایک ایسا چرواہا ضروری ہے جو ان کی تدبیر وانتظام کرے تو پھر انسانوں کے لیے بغیر امیر کے زندگی گزارنا کیسے نفع مند ہوسکتا ہے)

یعنی بھیڑوں سے بھی بڑھ کر انسانوں کے امور کی تدبیر انتظام کے لیے ایک امیر کا وجود ضروری ہے۔۔ایک اور شاعر کا کہنا ہے:

لَا یَصْلُحُ النَّاسُ فَوْضَی لَا سَرَاۃَ لَھُمْ وَ لَا سَرَاۃَ اِذَا جُھَّالُھُمْ سَادُوا

(لوگوں کو بغیر سردار کے چھوڑ دینا قطعاً مناسب نہیں اور اس سے بڑھ کر نقصان دہ بات یہ ہے کہ جاہل اور نااہل لوگوں کو سردار بنالیا جائے۔اگر جاہل ونااہل سردار بن گئے تو پھر تو سمجھو آوے کا آوا ہی بگڑ گیا)

☆ ہم نے قرآن حکیم، اُسوۂ حسنہ، احادیث مبارکہ، اجماعِ صحابہ، اقوالِ خلفاء راشدین اور عقلی دلائل سے ثابت کر دیا کہ اجتماعی مفادات کے تحفظ، مفاسد کے خاتمہ، مصالح کے حصول اور تنازعات کی اصلاح کے لیے ایک متفقہ امیر کا تقرر بے حد ضروری ہے۔ اب یہ اہل سنت کا فریضہ ہے کہ وہ عقل وشعور سے کام لیں اور مل جل کر ایک متفقہ، باصلاحیت، مرکزی امیر مقرر کریں۔

ایک متفقہ امیر کی تحریک کا آغاز اس طرح کرنا چاہیے کہ ہمارے اس مقالہ کو کثرت کے ساتھ چھپوا کر لوگوں میں تقسیم کیا جائے۔ مسند امارت پر فائز سینکڑوں قائدین تک بھی اس آواز کو پہنچایا جائے۔ ان سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ اس عظیم قطعی فرض کے لیے قدم آگے بڑھائیں اور اپنی وفاداریاں مل جل کر اپنے میں سے کسی اہل فرد کے سپرد کریں۔ پھر اس مرکزی امیر کے تحت جو مجلس شوریٰ ہو وہاں سے جو پالیسی مرتب ہو سب کے سب اس کی اطاعت کریں۔ اگر اہل سنت اپنی بقاء اور استحکام چاہتے ہیں تو پھر انھیں یہ قدم خواہی نخواہی اٹھانا پڑے گا۔ یہ نہ سمجھیں کہ یہ مشکل کام ہے اور اس کا معرضِ وجود میں آنا ناممکن نظر آتا ہے۔ حق کے لیے آواز بلند کرتے رہیں اور ایک دوسرے کا ذہن بناتے رہیں، ان شاء اللہ آج نہیں تو کل یہ معجزہ رونما ہو کے رہے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی کوششیں رائیگاں نہیں کرتا، یہ اس کی سنت ہی نہیں۔ وَاَن لَّیسَ لِلاِنسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی۔

نیز وہ اس غلط فہمی میں بھی نہ رہیں کہ چونکہ وہ اپنی اپنی جماعت کے امیر کے پیچھے چل رہے ہیں لہٰذا اس سے قرآن وسنت کا یہ مقصد ''جو اس مقالہ میں بیان ہوا'' پورا ہو جاتا ہے۔ ہرگز نہیں، جب تک تمام اہل سنت کا ایک مرکزی امیر مقرر نہ ہوگا تب تک سو سو جماعتوں اور سو سو امیروں سے قرآن وسنت کا یہ مقصود قطعاً پورا نہیں ہوگا۔ لہٰذا آج کے بعد پورے ملک میں اہل سنت کا ایک ہی نعرہ ہونا چاہیے: ایک امیر، ایک امیر.....ناگزیر ناگزیر۔

(بشکریہ ماہنامہ متاعِ کارواں بہاولپور، مارچ 2017ء)

---

2

# دیوبند و بریلی:
# اختلافات سے مشترکات تک

سراج الدین امجد

اُمت مسلمہ آج جن گوناگوں مسائل کا شکار ہے ان میں ایک فرقہ واریت بھی ہے بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ اگر اس کی تباہ کاریوں پر نگاہ دوڑائی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آج کے دور میں یہ اِلحاد اور بے دینی سے بھی بڑا فتنہ اور عفریت ہے۔ آج اگر ملت اسلامیہ کا بدن لہولہان ہے تو جہاں اغیار کی ریشہ دوانیاں ہیں، وہیں اپنوں کی کارستانیاں بھی کم نہیں۔ کیا یہ تلخ حقیقت نہیں کہ آج شرق سے غرب تک جہاں بھی مسلمان پس رہے ہیں وہاں عالمی سامراج کے ناپاک عزائم کے ساتھ ساتھ اندرونی خلفشار اور باہمی تنازعات کی شرانگیزی بھی کارفرما ہے۔ گویا خارجی محاذ پر اگر کفر و الحاد کی فتنہ سامانیاں ہیں تو داخلی محاذ پر تکفیری ذہنیت اور فرقہ واریت کی شرانگیزیاں۔ یہ مسائل اس وقت مزید گھمبیر اور اندوہناک معلوم ہوتے ہیں جب بین المذاہب تو کجا، خود اہل سنت کے مکاتب فکر کے اندر بھی مسلکانہ شدت پسندی اور تفسیق و تضلیل کا بازار گرم ہو۔ اگر کہیں باہمی رواداری، یگانگت، اتحاد اور یکجہتی کی فضا قائم کرنے کی کوشش بھی کی جائے تو جلد ہی دیرینہ تعصّبات کی زہرناکی اور قلبی منافرت عود کر آئے اور امن و آشتی اور مسلکانہ رواداری کے سارے دعوے کھوکھلے محسوس ہونے لگیں تو کیا اس دیرینہ بیماری کا علاج اور تدارک کا سامان ہی نہ کیا جائے؟ نہیں، قطعاً نہیں، بلکہ زیادہ قوت، یکسوئی اور تن دہی کے ساتھ اس کی زہرناکیوں کو بجھانے کی ضرورت ہے۔ اس خطے میں جس طرح آج سنی مکتبہ فکر کے دو بڑے گروہ یعنی دیوبند اور

بریلی آپس میں دست وگریباں ہیں، اس پر ہر دردمند دل افسردہ اور پریشان ہے۔

اس باہمی آویزش کی کچھ وجوہ ہیں۔ تاہم اس کے حل کی کوئی کوشش اس تمام صورت حال کے معروضی جائزہ اور غیر متعصّبانہ تفہیم کے بغیر شاید ممکن نہ ہو۔ جو لوگ فطرت انسانی میں کارفرما گوناگوں نفسیاتی مہیجات اور تعصّبات کا تجزیہ کرتے رہتے ہیں، وہ اس بات کی برملا تائید کریں گے کہ باہمی نفرت وکدورت کم علمی، بے جا تعصّبات، ناگوار اَنانیت اور معاملات کا درست تجزیہ نہ ہونے سے ہی پھیلتی ہے۔ پھر دینی اور مذہبی معاملات میں چونکہ اپنے موقف پر اصرار کو تصلّب ،للّٰہیت اور پرہیزگاری کا لبادہ اوڑھا دیا جاتا ہے۔ لہٰذا معروضی تناظر اور بے لاگ تبصرہ و تحقیق کی نوبت آتی ہے نہ خیال گزرتا ہے اور یوں فکر ونظر کا اختلاف بھیانک مسلکانہ پیکار کا رُوپ دھار لیتا ہے۔ اس مضمون میں دیوبند اور بریلی کا علمی اور فکری آویزش کے پس منظر کا تعارف بھی ہے، طرفین کی جانب سے ایک دوسرے کے ردّ وخلاف کی وجوہات کا تذکرہ بھی۔ نیز ہر ایک کے جدا ذوقی رنگ اور طرزِ فکر کا بیان بھی۔ آخر میں طرفین کے معتدل فکر علماء کا اجمالی تعارف اور مشترکات کا بیان، تاکہ آنے والے دنوں میں جداگانہ مسلکانہ تشخص کے باوجود دونوں طبقات میں باہمی رواداری اور حسن ظن کی خوشبو بکھرتی رہے۔

## دیوبندی بریلی مناقشہ: بحث مباحثہ سے مناظرہ بازی تک

علماء اہلسنّت کے درمیان شرک وبدعت کے مسائل ہوں یا تقدیسِ اُلوہیت اور عظمت رسالت سے متعلقہ ابحاث، یہ تو دیوبند اور بریلی کے مدارس کے قیام سے بھی بہت پہلے کی ہیں۔ مسئلہ امتناعِ نظیر کے حوالے سے شاہ اسماعیل صاحب دہلوی اور علامہ فضل حق خیرآبادی کے درمیان بحث مباحثہ تو مشہور ومعروف ہے۔ خاص دیوبندی وغیر دیوبندی (بریلوی) تنازعہ کے تناظر میں بھی دیکھنا ہو تو ساری بحث اثر ابن عباسؓ کے حوالے سے مولانا احسن نانوتوی کی کتاب سے شروع ہوئی۔ اس کی تائید میں مولانا قاسم نانوتوی نے 1290ھ/1872ء میں تحذیر الناس لکھی۔ اس پر اہل سنت کے حلقوں میں خوب شور اُٹھا اور ہندوستان بھر میں علماء نے مخالفت کی۔ بلکہ خود مولانا تھانوی نے کہا ہے کہ جب مولانا نانوتوی نے تحذیر لکھی تو ہندوستان بھر میں کسی نے موافقت نہ کی سوائے مولانا عبدالحئ لکھنوی کے (دیکھئے الافاضات الیومیہ، جلد چہارم)۔ یہ الگ بات

ہے کہ مولانا لکھنوی نے بھی بعد میں رسالہ ''ابطالِ اغلاطِ قاسمیہ (1300ھ/1883ء)'' کی تائید کر کے پہلے موقف سے رجوع کر لیا۔ یہ رسالہ بھی کسی بریلوی عالم کی کاوش نہ تھی بلکہ شروع میں مخالفت دیگر سنی علماء کی طرف سے سامنے آئی اور وہیں سے بات آگے بڑھی۔

اسی طرح اس دور میں ایک اور تصنیف جو بعد میں علماء دیوبند اور سنی علماء کے مابین وجہ بحث بنی وہ ''انوارِ ساطعہ'' ہے جس کے مصنف مولانا عبدالسمیع رامپوری تو حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے خلیفہ تھے۔ کوئی بریلوی نسبت نہ تھی۔ بلکہ یہ کتاب آپ نے 1302ھ میں لکھی۔ جبکہ دارالعلوم منظر اسلام بریلی کا قیام 1322ھ/1904ء میں عمل میں آیا۔ اس کے ردّ میں براہین قاطعہ 1304ھ میں آئی۔ ان موضوعات پر پہلا بڑا مناظرہ علامہ غلام دستگیر قصوری (خلیفہ حضرت مولانا محی الدین قصوری جو معروف نقشبندی مجددی شیخ یعنی شاہ غلام علی دہلوی کے خلیفہ تھے) اور مولانا خلیل احمد سہارنپوری کے درمیان بہاولپور میں 1306ھ میں ہوا۔ مولانا قصوری کی زندگی بھر مولانا احمد رضا خاں بریلوی (م 1340ھ/1921ء) سے ملاقات ثابت نہیں، چہ جائیکہ انہیں بریلوی کہا جائے۔ بلکہ زمانی لحاظ سے بھی انھیں مولانا کے والد، مولانا نقی علی خان کا معاصر کہنا زیادہ درست ہوگا۔ گویا علماء دیوبند کے مقابل علمی بحث اور مناظرہ بازی سنیوں میں جن دو بڑی قدآور شخصیات نے شروع کی، دونوں کا بریلویت کے کوئی تعلق نہیں، یعنی ایک ان کے اپنے شیخ حضرت مہاجر مکی کے خلیفہ مولانا عبدالسمیع رامپوری اور دوسرے علامہ قصوری۔

گویا یہ عقائد و معمولات کا اختلاف اور مناظرے مولانا احمد رضا بریلوی کے فتاویٰ سے بھی دو دہائیاں پہلے کے ہیں۔ تاہم یہ درست ہے کہ حسام الحرمین (1906ء) نے دیوبندی بریلوی تنازع کو بہت اُجاگر کیا اور طرفین کے رویوں میں شدت آنے لگی۔ تاہم دیوبندی بریلوی تنازع کو سمجھنے کے لیے اس کا تاریخی پس منظر سمجھنا ناگزیر ہے اور اس کے لیے دو کتب کا مطالعہ از حد ضروری ہے اور جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا یہ دونوں کتابیں کسی بریلوی عالم کی نہیں۔ ایک حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے خلیفہ اجل کی ہے۔ میری مراد 'انوار ساطعہ' از علامہ عبدالسمیع رامپوری (م 1318ھ/1900ء) سے ہے، جبکہ دوسری معرکہ آراء تصنیف، تقدیس الوکیل، علامہ غلام دستگیر قصوری نقشبندی (م 1315ھ/1897ء) کی ہے جو خواجہ غلام محی الدین قصوری نقشبندی

مجددی (خلیفہ شاہ غلام علی دہلوی) کے خلیفہ اور شاگرد تھے۔ لہٰذا ان اکابر کی کتب کا مطالعہ بڑی حد تک اس علمی وفکری پس منظر کو واضح کر دیتا ہے۔ ان دو کے علاوہ اکابر دیوبند کے پیر ومرشد سیّد الطائفہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی (م 1317ھ/1899ء) کا رسالہ ''فیصلہ ہفت مسئلہ'' (شائع شدہ 1312ھ) بھی لائق مطالعہ ہے۔ جو دراصل انوار ساطعہ اور براہین قاطعہ کی مباحث کے بعد خود ان کے نامی گرامی خلفاء میں باعث تفریق وتشویق مسائل کا حل ڈھونڈنے کی ایک اہم کاوش تھی۔

مزید حیران کن بات یہ ہے کہ علماء دیوبند کی مؤیدہ 'براہین قاطعہ' کے مقابل 'انوار ساطعہ' کو بریلوی علماء کی بجائے استاذ الکل مولانا لطف اللہ علی گڑھی (م 1334ھ۔ سیّد ابوالحسن علی ندوی نے انہیں استاذ الکل لکھا ہے)، مولانا عبدالحق حقانی صاحب تفسیر حقانی (م 1335ھ)، مولانا رحمت اللہ کیرانوی مہاجر مکی (م 1308ھ)، ادیب الہند مولانا فیض الحسن سہانپوری (م 1304ھ)، مفتی ارشاد حسین رامپوری مجددی (م 1311ھ)، مولانا مفتی عبدالمجید فرنگی محلّی لکھنوی (م 1340ھ) اور مولانا وکیل احمد حنفی سکندر پوری (م 1322ھ / 1904ء۔ شاگرد خاص علامہ ابوالحسنات عبدالحئ لکھنوی) ایسے اجلہ علماء کی تائید حاصل تھی۔ لطف کی بات یہ ہے کہ ان میں ایک بھی بریلوی یا بدایونی علماء کا شاگرد نہیں۔

گویا اہل سنت کے مابین مباحث میں اختلاف بریلی کے کسی عالم کی فکر کا شاخسانہ نہیں بلکہ علماء دیوبند کے کچھ تفردات اور زعم توحید میں شانِ رسالت کے حوالے سے تنقیص وسوءِ ادب پر مشتمل کچھ افکار تھے جس کی گرفت پہلے اور لوگوں نے کی۔ ہاں حسام الحرمین (1325ھ/ 1906ء) کے فتاویٰ سے بڑے پیمانے پر ردِّ دیوبند کا غلغلہ بلند ہوا۔ یہ بات بھی درست ہے کہ حسام کی تائید جہاں بہت سے علماء اہل سنت نے کی (کم وبیش 270 کے قریب علماء کی فہرست الصوارم الہندیہ میں مولانا حشمت علی لکھنوی نے دی ہے۔ یہ کتاب 1345ھ/1926ء میں طبع ہوئی) وہاں کئی اکابر مثلاً حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی، حضرت شاہ ابوالخیر دہلوی (شاگرد شاہ عبدالغنی مجددی)، خواجہ حسن جان سرہندی (شاگرد شیخ احمد بن زینی دحلان مکی و شیخ رحمت اللہ مہاجر مکی)، شیخ الاسلام مولانا انوار اللہ فاروقی، مولانا عبدالباری فرنگی محلّی، مولانا مشتاق احمد چشتی انبیٹھوی اور علامہ معین الدین اجمیری ایسے علماء نے اگرچہ عبارات کو غلط، گستاخانہ اور کفریہ کہا

تاہم تکفیر سے کفِ لسان رکھا اور اسی کو احوط جانا۔ گو یہ وضاحت اپنی جگہ اہم ہے کہ حسام الحرمین کے فتاویٰ تکفیر کی حمایت نہ کرنے کے باوجود یہ اکابر علماء ومشائخ معتقدات ومعمولات میں مولانا بریلوی سے کلی موافقت رکھتے ہیں اور دیوبندی عقائد کے ہمنوا نہیں۔ فاضل بریلوی کے فتویٰ تکفیر کی عدم تائید کو دیوبندی عقائد ونظریات کی موافقت سے تعبیر کرنا صریحاً غلط اور دُور از کار تاویل کی قبیل سے ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ دیوبند کے عمومی حلقے تو کجا ان کے بڑے بڑے علماء بھی ان شخصیات سے متعارف نہیں۔ حالانکہ دیوبندی مؤرخین نے اپنے مکتب فکر کے تمام فضلاء ورجال کار کے سوانحی خاکے بڑی دقت نظر سے قلم بند کیے ہیں۔ اگر کہیں اشتراک فکر ہوتا تو حلقہ دیوبند میں ان کا بھی بھرپور تعارف ہوتا۔

## ردّ بریلویت کی وجوہات اور پس منظر

اس ساری بحث میں ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ آج جس طرح بریلوی عقائد کو شرک و بدعت سے آلودہ قرار دیا جارہا ہے اور مولانا احمد رضا کو ایک فرقہ کا بانی۔ تو کیا فی الواقع ایسا ہی ہے؟ نہیں! بلکہ تاریخی حقائق کچھ اور ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ فاضل بریلوی نے تو علماء دیوبند کے خلاف فتوے دیے تاہم اکابرین دیوبند کی طرف سے کوئی فتویٰ ان کے (عقائد ومعمولات کے) خلاف نہ تھا۔ بلکہ تاریخی حقیقت ہے کہ جب علامہ انور شاہ کشمیری سے مناظرہ بہاولپور کے دوران پوچھا گیا کہ آپ تو بریلوی علماء کی تکفیر کرتے ہیں تو انہوں نے باقاعدہ بیان قلمبند کروایا کہ وہ کسی صورت بریلویوں کی تکفیر نہیں کرتے۔ یہ عدالتی بیان 1350ھ کے لگ بھگ ہے جب فاضل بریلوی کے وصال (1340ھ) کو بھی دس گیارہ سال ہو چکے تھے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ چند فروعی مسائل کے علاوہ تو کسی بات پر شرک وکفر کے فتویٰ کا مطلب اپنے اکابرین کو متہم کرنے کے مترادف تھا کیونکہ ارواح ثلاثہ، سوانح قاسمی اور اشرف السوانح جیسی کتب میں درج واقعات کسی طور بھی مروّجہ سنی عقائد ومعمولات سے ہٹ کر نہیں تھے۔ ہاں یہ درست ہے کہ حلقہ دیوبند میں بریلویوں کے خلاف شدت فاضل بریلوی کے تکفیری فتویٰ سے شروع ہوئی تاہم ردّ بریلویت پر جم کر کام فاضل بریلوی کی وفات کے بھی 25، 30 سال بعد ہوا۔ اس میں دو شخصیات کا کردار اہم ہے۔ ہندوستانی علماء میں منظور نعمانی چونکہ مناظرانہ ذوق اور طبیعت رکھتے تھے تو وہ کھل کر لکھنے لگے

اور مناظرے کیے، اگرچہ آخری عمر میں انہوں نے معارف الحدیث ایسے علمی کاموں کی طرف توجہ دی۔ دوسری شخصیت مولانا سرفراز صفدر کی ہے۔

پاکستان میں بریلوی مکتبہ فکر کے خلاف اصل نفرت اور آواز مولانا حسین علی (واں بھچراں/تفسیر بلغۃ الحیران والے) کے ہاں سے اُٹھی۔ ان کے شاگردوں نے اس میں کافی جوش دکھایا جس میں سرفہرست مولانا غلام اللہ خان، مولانا سرفراز صفدر اور مولانا ضیاء القاسمی وغیرہ تھے۔ عجیب بات یہ ہے کہ اس انداز فکر کا معروضی تجزیہ نہیں کیا گیا۔ ایک تو مولانا حسین علی صاحب بڑی متشدد اور تیز طبیعت کے آدمی تھے اگرچہ خاندان نقشبندیہ، مجددیہ موسیٰ زئی شریف کے مجاز تھے، تاہم صوفیاء کی روش کے برعکس مناظرانہ جو طبیعت پائی تھی، لہٰذا مشائخ وصوفیاء بالخصوص چشتیہ نظامیہ (پاکستان میں کثرت ہے) سے بڑی کدتھی۔ اس دور میں پنجاب کے تمام بڑے علماء یا علمی گھرانے خانقاہ سیال شریف سے وابستہ تھے۔ ان چشتی مزاج علماء کے ساتھ جو کہ بریلوی نہ تھے مولانا حسین علی کی نوک جھوک لگی رہتی۔ اندازہ کریں کہ حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی جیسے بزرگ صوفی اور عالم سے بھی موصوف مناظرہ کرنے سے باز نہ آئے۔ تو یہ وہ ذہن تھا جس نے سنی مشائخ اور علماء (پنجاب کے زیادہ علماء دارالعلوم نعمانیہ، لاہور کے فاضل تھے اور خیر آبادی منہج رکھتے، گو بگوی خاندان میں حدیث کا ذوق زیادہ تھا) کے خلاف ذہن سازی کی۔ مولانا بھچرانوی کے شاگردوں نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ بعد میں دیوبندیوں میں مماتی فکر بھی اسی مولانا حسین علی کی فکر کا شاخسانہ تھی۔

مولانا حسین علی کی متشدد طبیعت کا شاہ عبدالقادر رائے پوری علیہ الرحمۃ جیسے بزرگوں کو بڑا احساس تھا۔ (حضرت کے 'ملفوظات' مرتبہ از مولانا محمد انوری اور 'حیات طیبہ' از صاحبزادہ محمد حسین انصاری تمیمی للّٰہی دیکھئے) بلکہ خود مولانا حسین علی کے پیر بھائی اور بانی خانقاہ سراجیہ، مولانا ابوالسعد احمد خان علیہ الرحمۃ (جن کے علو مقام کے مولانا انور شاہ کشمیری اور علامہ شبیر احمد عثمانی جیسے بزرگ قائل تھے۔ دیکھئے کتاب ''تحفہ سعدیہ'') کو اس تکفیری اور متشدد طبیعت سے بڑی نفرت تھی۔ (دیکھیں 'حیات صدریہ'۔ سوانح قاضی صدرالدین نقشبندی) اب چونکہ پچاس/ساٹھ کی دہائی میں پاکستان کے سنی علماء میں سے علماء دیوبند کے ساتھ بحث مباحثہ کے لیے جو علماء اٹھے وہ زیادہ تر

بریلوی اور مراد آبادی سلسلہ کے لوگ تھے، لہٰذا فتویٰ بریلویوں پر لگنا شروع ہوا۔ حالانکہ خود سنی حلقوں میں فاضل بریلوی کی کتب کا تعارف اور پڑھنے کا ذوق کہیں بعد میں شروع ہوا، بلکہ بیشتر سنی علماء دیوبندیوں کی فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کے خلاف سخت کلامی سے ہی متأثر ہو کر اِدھر متوجہ ہوئے۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ فاضل بریلوی پر جن دو شخصیات نے پاکستان میں سب پہلے علمی اور تحقیقی انداز میں کام کیا وہ دونوں بریلوی نہ تھے نہ بریلوی علماء کے شاگرد۔ میری مراد ڈاکٹر مسعود احمد نقشبندی اور حکیم محمد موسیٰ امرتسری سے ہے۔ جیسے پہلے عرض کیا ہے، پنجاب کے سنی علماء کا تعارف بریلویوں سے زیادہ نہ تھا۔ یہاں تو علامہ فضل حق رامپوری (م 1940ء)، علامہ غلام محمد گھوٹوی (م 1940ء)، علامہ معین الدین اجمیری (م 1940ء)، مولانا مہر محمد اچھروی (م 1954ء) اور مولانا یار محمد بندیالوی (م 1947ء)، قاضی محمد دین بدھوی (م 1964ء) اور علامہ غلام محمود پپلانوی (م 1948ء) وغیرہ کے زیادہ شاگرد تھے اور یہ سب سنی تھے۔ بریلویوں سے کوئی بھی براہِ راست نہ پڑھا تھا۔ تاہم جب مولانا حسین علی اور ان کے شاگردوں نے ان علماء کے شاگردوں سے مناظرے شروع کیے تو سارے غیر دیوبندی اب بریلویوں کی چھتری تلے جمع ہونا شروع ہو گئے جن میں مختلف مراکز علمی (رامپور، فرنگی محل لکھنو، کانپور، خیر آباد، دارالعلوم نعمانیہ لاہور، بدایوں اور بریلی) کے وابستگان تھے۔

اس پس منظر میں یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ بریلوی عقائد و معمولات کے بڑے حصے کو انیسویں اور بیسویں صدی کے علماء اہل سنت کے بڑے طبقے کی تائید رہی ہے۔ رہا حسام الحرمین کے بعد کے ادوار میں دیوبندی بریلوی شدید منافرت اور دونوں کے انداز و مزاج میں واضح فرق جس میں تطبیق کی کوئی صورت آج دینی مزاج کے لوگوں کے لیے ہضم کرنا مشکل ہے تو اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ علماء دیوبند نے علمی و تحقیقی اور درس و تدریس پر توجہ دی اور دینی مدارس کے فروغ اور دعوتی کام کی وجہ سے عوام کے بڑے طبقے کو متأثر کیا۔ یوں شعوری طور پر دینی ذوق رکھنے والے لوگ ان کے پاس آتے گئے۔ دوسری طرف بریلوی علماء مولانا حشمت علی لکھنوی، مولانا اجمل سنبھلی وغیرہ ہندوستان جبکہ پاکستان میں مولانا سردار احمد فیصل آبادی، مولانا عمر اچھروی اور مولانا ابوالبرکات وغیرہ نے اور ان کے شاگردوں نے ''ردّ دیوبندیت'' کو ہی

موضوع بنایااور ٹھوس علمی کام نہ کر سکے۔ اس کا نقصان یہ ہوا کہ جدید موضوعات تو کجا، روایتی خرافات ورسومات کے آگے بھی بند نہ باندھا جا سکا۔ مزید یہ نقصان ہوا کہ فاضل بریلوی، جنھوں نے ردّ بدعات میں بہت کام کیا تھا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم عصر مشائخ وعلماء میں ردّ بدعات کے حوالے سے شاید ہی کسی نے اتنا کام کیا ہو، کی اصل فکر اور اصلاحی تعلیمات دب گئیں اور نیم خواندہ بریلوی مولوی نور و بشر کے موضوعات پر ہی تقریریں کر کے سُنّیت کا تعارف کروانے لگے۔ یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ فاضل بریلوی کی اصلاحی تعلیمات کے فروغ میں رکاوٹ میں اہم کردار یہاں کے چشتی نظامی، چشتی صابری اور سہروردی اور قادری مشائخ کی خانقاہوں اور گدیوں کا بھی رہا۔ انہوں نے اَن پڑھ مریدوں کو قابو میں رکھنے کے لیے ایک طرف تو دیوبندیوں کے خلاف ان کے حسام الحرمین کے فتاویٰ کو خوب اچھالا، لیکن فاضل بریلوی کی اصل تعلیمات خاص کر ردّ بدعات کو سامنے ہی نہ آنے دیا۔ یوں علمی کم مائیگی، وعظ پسندی اور جہال کی خرافات و بدعات کو گویا بریلویت کے مترادف سمجھا جانے لگا۔

ماضی قریب میں بہت سارے اہل علم اپنے آپ کو اس ردّ دیوبندیت کی شدت پسند بریلویت سے نہیں جوڑتے۔ متاخرین میں شاہ محمد مظہر اللہ دہلوی، مولانا محمد عالم آسی امرتسری، پیر کرم شاہ الازہری، خواجہ غلام سدید الدین مرولوی، مولانا محمد ذاکر بانی جامعہ محمدی شریف جھنگ، شاہ ابوالحسن زید فاروقی، شاہ وجیہ الدین احمد خاں رامپوری، خواجہ محمد عمر بیربلوی، قاضی صدر الدین نقشبندی، علامہ حافظ ایوب دہلوی، علامہ جمال میاں فرنگی محلّی، سیّد محمد ہاشم فاضل شمسی، علامہ حکیم محمود احمد برکاتی، پروفیسر مولانا شاہ منتخب الحق، ڈاکٹر فضل الرحمٰن انصاری، محدث دکن شاہ عبداللہ قادری، ڈاکٹر پیر محمد حسن، مولانا سعید احمد مجددی، علامہ علی احمد سندھیلوی اور سید نصیر الدین گیلانی ایسے کئی جید علماء ومشائخ نے خیر آبادی، فرنگی محلّی اور خانوادہ اللّٰہی سے منسوب سنّیت کو ہی فروغ دیا ہے۔ ذرا دیکھئے ذیل کے الفاظ میں کس دردمندی اور اخلاص کے ساتھ ایک بڑے سنی عالم نے اس طرف توجہ دلائی ہے:

> ''دین کے اصولی مسائل میں دونوں متفق ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی توحید ذاتی اور صفاتی، حضور نبی کریم ﷺ کی بسا اوقات رسالت اور ختم نبوت، قرآن کریم، قیامت اور

دیگر ضروریات دین میں کلی موافقت ہے۔لیکن طرزِ تحریر میں بے احتیاطی اور اندازِ تقریر میں بے اعتدالی کے باعث غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں اور باہمی سوءِ ظن ان غلطیوں کو بھیانک شکل دے دیتا ہے۔اگر تقریر وتحریر میں احتیاط واعتدال کا مسلک اختیار کیا جائے اور اس بدظنی کا قلع قمع کر دیا جائے تو اکثر و بیشتر مسائل میں اختلاف ختم ہوجائے اور اگر چند امور میں اختلاف باقی رہ بھی جائے تو اس کی نوعیت ایسی نہیں ہوگی کہ دونوں فریق عصر حاضر کے سارے تقاضوں سے چشم پوشی کیے آستینیں چڑھائے،لٹھ لیے ایک دوسرے کی تکفیر میں عمریں برباد کرتے رہیں۔''

یہ آراء معروف سنی عالم اور صوفی حضرت پیر کرم شاہ صاحب الازہری کی ہیں جس کا اظہار ٹھیک پچاس برس قبل تفسیر ضیاء القرآن کے مقدمہ میں کیا۔اس میں شک نہیں کہ باہمی تکفیر و تفسیق کے اس دور میں اس جرأت مندانہ موقف اور اُمت کے اجتماعی مسائل کے لیے دلسوزی اور دردمندی کے جذبہ رفیعہ سے پیر صاحب اتحاد بین المسالک کی کوششوں میں اپنے معاصرین سے سبقت لے گئے۔بعد کے ادوار میں مجاہد ملت مولانا عبدالستار خان نیازی ایسے بزرگوں نے عملی کوششیں بھی کیں جو بوجوہ کامیابی سے ہمکنار نہ ہوسکیں۔تاہم اس کا سنی حلقوں میں بڑا فائدہ یہ ہوا کہ فہیم وذی شعور عناصر مذہبی مسائل میں ٹھیٹھ بریلویت اور دیوبندیت کی بجائے اہل سنت کی پرانی معتدل روش تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔پیر کرم شاہ سے کم وبیش بیس سال بعد ہندوستان میں رامپور، جو دیوبند و بریلی کے مدارس دینیہ سے پہلے کا مشہور دبستان علمی ہے، کے ایک نہایت قابل فرزند مولانا وجیہ الدین احمد خاں رامپوری نے ''مسلک اربابِ حق'' لکھ کر یہاں اِحقاقِ حق اور اِبطالِ باطل کا فریضہ سرانجام دیا اور طرفین کی درست باتوں کی تائید اور غلط عقائد ونظریات کا علمی ردّ کیا، وہیں اتحاد بین المسالک کی دعوت بھی دی۔اس کتاب کی ثقاہت اور اہل علم وفضل کے ہاں وقعت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ معروف محقق و دانشور پروفیسر نثار احمد فاروقی (صدر شعبۂ عربی دہلی یونیورسٹی) نے پیش لفظ لکھا۔وہ لکھتے ہیں:

''حضرت مولانا شاہ وجیہ الدین احمد خان علیہ الرحمۃ نے دیوبندی اور بریلوی دونوں مدرسہ ہائے فکر کے بارے میں متوازن اور معتدل رائے کا اظہار کیا ہے اور عام

مسلمانوں کے لیے جو دین کی بنیادی کتابوں سے براہِ راست اور گہری واقفیت نہیں رکھتے، یہی مسلک اعتدال مناسب ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ علمائے دیوبند کے بعض اکابر سے لغزشیں ہوئی ہیں۔ مولانا المولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے ان لغزشوں پر مدلل نکتہ چینیاں کی ہیں اور وقت نکتہ چینی وہ اکابر موجود تھے لیکن اپنے اقوال کی تفسیریں اور تعبیریں انہوں نے بیان کی ہیں، قول سے رجوع نہیں کیا۔ کاش یہ دیوبندی اکابر اپنے اقوال سے رجوع کر لیتے تو آج ہندوستان کا بہت بڑا اختلاف مٹ جاتا۔ لیکن نہ اکابر نے رجوع کیا نہ اصاغر نے لغزش کا اقرار کیا۔ نتیجے میں دیوبندی بریلوی محاذ قائم ہوگیا۔ دوسری طرف بریلوی علماء کے بارے میں حضرت خطیب اعظم فرماتے ہیں کہ حضرات علمائے بریلی نے سخت تشدد اختیار کیا اور لغزشوں کے کرنے والوں کو ہی لفظ کافر نہیں کہا بلکہ ان کے کفر میں جو شک کرے، اس کو بھی کافر کہا ہے۔ اس غلو آمیز عموم سے ہندوستان میں کوئی بھی مسلمان نہیں رہ سکتا۔''

سچی بات یہ ہے کہ آج غیر جانبدار اور تحقیقی ذوق کے علماء اور مفکرین کی ضرورت ہے تاکہ ایک طرف عوامی مزاج کے لیے خاطر خواہ طریقے سے دینی تربیت کا اہتمام ہو سکے۔ اس کے لیے بریلوی فکر کی اہمیت سے انکار نہیں۔ نیز سلاسل تصوف اور بزرگوں کے عقائد و معمولات سے وابستہ افراد بھی ان سنی بریلویوں سے ہی قربت محسوس کرتے ہیں اور انہی سے ذوقی مناسبت کی وجہ سے فیض اُٹھا سکتے ہیں جبکہ دوسری طرف وہ طبقات جو شرک و بدعت کے حوالے سے شاہ اسماعیل دہلوی اور ان کے اَتباع کی سی حساسیت رکھتے ہیں، علماء دیوبند کی دینی راہنمائی میں شرک و بدعت کے حوالے سے محتاط روی کو حرزِ جان بنا سکتے ہیں۔ جیسے بریلوی علماء کے لیے ردّ دیوبند سے بڑھ کر ردّ بدعات اور احیائے دین پر کام کرنا زیادہ ضروری ہے، وہاں پر دیوبندی علماء کو بھی اس فکر سے نکلنا ہوگا کہ اُمت کے ایک بڑے طبقہ کے معمولات گویا شرک سے آلودہ ہیں۔ نیز انہیں اپنے آپ کو یزیدی فکر کے فروغ اور خارجیت جدیدہ کے دست و باز و بننے سے روکنا ہوگا تاکہ دیوبندی بریلوی مسالک صحیح معنوں میں ذوقی چیز ہی رہیں نہ کہ تکفیر و تضلیل سے اپنا شیرازہ بکھیرتے

رہیں۔مسلک ذوقی ترجیح کی حدتک تو شاید قابل قبول ہولیکن اسے امت میں تشتت اورافتراق کی دستاویز کسی صورت نہیں بننے دیا جاسکتا۔

## ذوقی رنگ اورمتنوع اسالیب

دیوبند سے مراد مدرسہ دیوبنداوران کے ہم خیال مدارس اورعلمی خانوادے ہیں جبکہ غیردیوبنداب سارا بریلوی کہلایا جانے لگا ہے۔اگرچہ بریلوی کی اصطلاح دیوبندی اور وہابی مؤرخین نے طعنہ آمیزی کےطور پراستعمال کی تاہم اب اس کو دیوبندی بریلوی عقائدومعمولات کےعمومی تناظر میں دیکھا جانے لگا۔ بریلی اور دیگرسنی خانوادہ ہائے علمی کے مقابلے میں دیوبند دعوتِ دین،علمی وتحقیقی کام،شروحِ کتب احادیث ودرسیات،مدارس دینیہ کے قیام اوراتباعِ سنت میں محتاط روی کی بناپرخاص مقام کا حامل ہے۔دوسری طرف بریلوی یاغیردیوبندی (فرنگی محل، رامپور،خیرآباد، بدایوں اور بریلی علمی گھرانے) امت کے بڑے طبقے کے ساتھ خیرخواہی، دینی اقتدار کےتحفظ کے لیےترغیب کوترہیب پرترجیح دینا،علماء ہندمثلاً شیخ عبدالحق محدث دہلوی،شاہ ولی اللہ اورشاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ایسے بزرگوں کی آراءکودیگرعلماء پرفوقیت،اثبات عقائد و توضیح احکامِ فروعی میں معقولات پرزورجبکہ منقولات پرکم توجہ،صوفیہ کےعقائدومعمولات کی شرعی توجیہ اوران کے بظاہرغیرمحتاط اعمال کی مؤدبانہ حسن تاویل، مزاجاً خانقاہی نظام سے تمسّک و وابستگی کواہمیت دینا،'کثرتِ عمل' کی بجائے'حسن عمل' پرنگاہ،علمی وتحقیقی کام کی بجائے صدقہ و خیرات اورعوام الناس کےعرف کی رعایت کرتے ہوئے رسوم ورواج میں شراکت وغیرہ وغیرہ بہت سےاعمال ایسے ہیں جواس طبقے کی پہچان ہیں۔

## طرفین میں معتدل فکر کے علماء

بریلوی ذہن کے لیےعلماءدیوبندمیں مولانا انورشاہ کشمیری،مولانا مناظراحسن گیلانی، مفتی کفایت اللہ دہلوی،مولانا ادریس کاندھلوی،مفتی محمدحسن امرتسری،مولانا عبدالرشیدنعمانی، مولانا شاہ معین الدین احمدندوی،مفتی تقی عثمانی وغیرہ اورشاہ عبدالقادررائے پوری،مولانا سیّدزوار حسین شاہ صاحب نقشبندی،ابوالسعد مولانا احمدخان،حضرت مولانا اللہ یارخان اورخواجہ خان محمد

جیسے مشائخ میں کشش کا بڑا سامان ہے۔اسی طرح دیوبندی ذہن کے لیے شیخ الاسلام علامہ انوار اللہ فاروقی، حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی، علامہ مشتاق احمد چشتی انبیٹھوی، حضرت خواجہ حسن جان سرہندی، مولانا نور احمد پسروری ثم امرتسری، حضرت میاں شیر محمد شرقپوری، خواجہ محمد عمر بیربلوی، شیخ الجامعہ علامہ غلام محمد گھوٹوی، پروفیسر نور بخش توکلی، پیر کرم شاہ الازہری، مفتی محمد حسین نعیمی، مولانا شاہ ابوالحسن زید فاروقی الازہری، محدث دکن سید عبداللہ قادری، مولانا شاہ وجیہ الدین احمد خان رامپوری، مولانا سعید احمد مجددی، محدث عصر علامہ غلام رسول سعیدی، علامہ سید فاروق القادری، مفتی محمد خان قادری اور قاضی عبدالدائم دائم ایسے علماء اور مشائخ کے ہاں کشش کے کئی پہلو ہیں۔ اللہ پاک ہمیں دونوں مکاتب فکر کے علماء و مشائخ کے نوادرات علمی اور اسالیب طریقت سے بہرہ مند فرمائے اور ہمیں مسالک سے بڑھ کر دین سے محبت نصیب فرمائے۔آمین

(بشکریہ: ماہنامہ الشریعہ گوجرانوالہ، مارچ 2017ء)

---


اصلاحِ معاشرہ **دہشت گردی** سبق نمبر 306

- کس قدر عجیب ہے یہ بات کہ دہشت گرد کام دوزخیوں جیسے کرے اور تمنا جنت جانے کی۔
- قیامت کے دن بدترین حالت اس دہشت گرد کی ہوگی جس نے بے گناہوں کی دنیا برباد کر ڈالی۔
- دہشت گرد بے گناہوں کی دنیا بگاڑتا ہے اور اپنی آخرت۔

عارف الرحمٰن پوسٹ بکس نمبر 6216 لاہور

Web: www.oathofhonesty.com

# یا اللہ! کوئی نیک حکمران عطا فرما!

مولانا محمد انور چیمہ

جھنگ

ویسے تو ہر کوئی زبانی کلامی یہی کہتا ہے کہ یا اللہ کوئی نیک حکمران نصیب فرما۔ یہ دعا صرف خواہش کی حد تک ہے عملاً کچھ اور ہے۔ جیسی عوام ہوگی ویسا حکمران مسلط ہوگا۔ سوال یہ ہے کہ باغی عوام کو نیک حکمران کیسے نصیب ہو۔ اگر ہم عوام اپنے اندر قائم نظامِ عدل کے سامنے پیش ہوں تو نیک حکمران کی بجائے عذاب نصیب میں نظر آتا ہے۔ نیک حکمران تو ایک بہت بڑی نعمت ہے اور بُرا حکمران ایک عذاب ہے اور مصیبت ہے۔

ترمذی شریف میں مولیٰ علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے (مفہوم) جب میری اُمت میں پندرہ خصلتیں پیدا ہو جائیں تو ان پر مصائب نازل ہونا شروع ہو جائیں گے۔ وہ خصائل اور عادات مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ جب سرکاری مال کو ذاتی ملکیّت بنا لیا جائے۔ 2۔ امانت کے مال کو غنیمت سمجھا جائے۔ 3۔ زکوٰۃ کو جرمانہ سمجھا جانے لگے۔ 4۔ شوہر بیوی کا مطیع ہو جائے۔ 5۔ شادی شدہ بیٹا ماں کا نافرمان ہو جائے۔ 6۔ آدمی دوستوں سے بھلائی کرے۔ 7۔ آدمی باپ پر ظلم کرے۔ 8۔ مساجد میں شور مچایا جائے۔ 9۔ ذلیل ترین آدمی قوم کا سردار بن جائے۔ 10۔ آدمی کی عزت اس کی بُرائی سے بچنے کی وجہ سے کی جائے۔ 11۔ منشیات کا استعمال سرعام ہو جائے گا۔ 12۔ مرد ریشمی لباس پہننے لگ جائیں گے۔ 13۔ گانا بجانا موسیقی عام ہو جائے گی۔ 14۔ ناچ گانے والی لڑکیاں

پیش کی جائیں گی۔15۔موجودہ لوگ اپنے اسلاف یعنی گذشتہ لوگوں کو برا کہنے لگ جائیں گے۔
تو تب لوگوں کو چاہیے کہ وہ اللہ جل جلالہٗ کے عذاب کا انتظار کریں۔

اب اندر جھانک کر بتائیں آج کے ان حالات میں حکمران کیسا آئے گا۔خود کو اپنے اندر قائم نظام عدل کے سامنے پیش کر کے پوچھیں تو بات سامنے آجائے گی کہ مندرجہ بالا شرائط کس حد تک حکومت ومعاشرے میں عام ہیں۔

نیک حکمران کسی ملک وقوم کے لئے بہت بڑی نعمت ہے۔

جب عوام کے سینے میں اسلام کا درد ہوتا ہے اللہ تعالیٰ ایسے حکمران بھیجتا ہے کہ آدمی عش عش کر اٹھتا ہے۔ایک صاحب اندلس ملک (سپین ایک یورپی ملک ہے اس کا نام ہزار سال پہلے اندلس تھا جسے طارق بن زیاد نے فتح کیا تھا اور مسلمانوں نے وہاں 711ء-1492ء حکومت کی ہے) کے گورنر مقرر ہو کر جارہے تھے الوداع کرنے بڑے بڑے افسر بھی ساتھ موجود تھے جب الوداع ہونے لگے تو کندھے پر لٹکا ہوا بیگ (بریف کیس) الوداع کہنے والے افسروں کے سامنے کھول کر کہنے لگے جب واپس آؤں گا بریف کیس میں یہی اشیاء ہوں گی،نوٹ کرلیں۔
اب کیا صورت ہے؟ عوام اپنا چہرہ دیکھ کر فیصلہ کرلے۔''جیسا منہ ویسا تھپڑ''۔جب عوام کے چہرے اسلام سے چمکتے ہیں تو اللہ تعالیٰ شمس الدین التمش رحمۃ اللہ علیہ جیسا حکمران بھیج دیتا ہے۔تاریخ میں ہے کہ حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1235ء،دہلی) فوت ہونے لگے تو وصیت فرمائی کہ میرا جنازہ وہ پڑھائے جس نے زندگی بھر نماز عصر کی پہلی چار سنتیں قضا نہ کی ہوں کبھی بدکاری نہ کی ہو اور کبھی تہجد قضا نہ کی ہو۔جب وصال فرمایا اور تجلیات انوار الٰہیہ کا مرکز جسدِ خاکی سامنے چارپائی پر پڑا ہے انتظار ہو رہا ہے۔اعلان ہو رہا ہے کہ سامنے آئے وہ جس میں یہ اوصاف موجود ہوں، آکر حضرت خواجہ کاکی کا جنازہ پڑھائے۔انتظار بسیار کے بعد جب عوام کا لاکھوں کا مجمع ناامید ہونے لگا تو حکمرانِ وقت شمس الدین التمش نے ہاتھ بلند کرتے ہوئے کہا لوگو! فقر کی بات سلطان نے راز میں نہیں رہنے دی میں جنازہ پڑھاؤں گا۔میں نے جب سے ہوش سنبھالی ہے ان شرائط کو نبھایا ہے اور یہ راز صرف مرشد کو معلوم تھا۔یہ سن کر عوام نے 'اَللّٰہُ اَکْبَر' کا نعرہ بلند کیا آسمان گونج اُٹھا۔(سنتیں چھوڑنا اور بات ہے قضا کرنا اور ہے) آج اسی بات کی ضرورت ہے یا اللہ کوئی ایسا

حکمران عطا فرما جس نے زندگی بھر عصر کی چار سنتیں قضا نہ کی ہوں۔ ہاں ضرور ایسا حکمران آئے گا بشرطیکہ عوام کی غالب اکثریت کی چار سنتیں بھی قضا نہ ہوئی ہوں۔ جب عوام کے چہرے اسلام کے نور سے منوّر ہو کر چمکتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کیسے حکمران عطا فرماتا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہ المسلمین نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو حمص صوبے کا گورنر بنا کر بھیجا تو کچھ عرصہ بعد امیر المومنین امور مملکت کی نگرانی کے لئے حمص تشریف لے گئے۔ لوگوں کو اکٹھا کیا شکایات پوچھیں چھ شکایات سامنے آئیں ایک سے ایک بڑھ کر تھی۔ ایک شکایت یہ تھی کہ گورنر صاحب جمعہ کے روز دفتر دیر سے آتے ہیں۔ عوام کے سامنے پوچھا گیا سعد دیر سے کیوں آتے ہو؟ عرض کی اے امیر المومنین جمعہ کے روز (سات روز بعد) اپنا لباس دھوتا ہوں۔ صرف ایک جوڑا ہے۔ میری بیوی بیمار رہتی ہے نہ کھانا پکا سکتی ہے نہ کپڑے دھو سکتی ہے مجھے یہ سب کام خود کرنا پڑتا ہے۔ کپڑے سوکھنے میں دیر لگ جاتی ہے۔ اس لئے جمعہ کے روز دیر ہو جاتی ہے۔ اس طرح اپنی وضاحت پیش کی۔ اس کے بعد امیر المومنین نے محکمہ زکوٰۃ کا ریکارڈ منگوا کر چیک کیا کہ کون کون زکوٰۃ لیتا ہے۔ لسٹ میں دیکھا کہ گورنر صاحب کا نام سرفہرست ہے۔ زکوٰۃ کے منتظمین سے پوچھا۔ کیا تمہارا گورنر فقیر ہے؟ منتظمین بول اٹھے! سرکار گورنر صاحب کا چولہا کئی کئی روز ٹھنڈا رہتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ایسی درس گاہ سے تربیت حاصل کی ہے جس درسگاہ کے سربراہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے کہا جاتا ہے ''بیٹھا ہے چٹائی پر مگر عرش نشیں ہے''۔ جب عوام کے سینے نورِ قرآن سے منور ہوتے ہیں تو ایسے ہی گورنر نصیب ہوتے ہیں۔

اسلام کی تاریخ سیرت و کردار کے ایسے جواہرات سے بھری پڑی ہے کیوں کہ اس وقت کی عوام میں ایمان کی دولت، ایثار و قربانی، محبت و الفت کا جذبہ قابل دید تھا۔ میدانِ جہاد میں ایک نے پانی مانگا دوسرے نے پانی مانگا تیسرے نے پانی مانگا اور پھر جو کچھ ہوا دنیا کا کوئی دوسرا مذہب آج تک ایسی مثال نہ لا سکا۔

نظامِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر مسلم عوام مرمٹتی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر جان دے دیتی تھی مگر پیچھے نہ ہٹتی۔ کہتے ہیں ایک مسلمان بیٹی نے جونا گڑھ کے راجہ داہر کے قزاقوں کے ظلم کے خلاف وقت کے امیر المومنین سے فریاد کی اور پھر محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ آیا، دنیا جانتی ہے کیا ہوا۔ لیکن

جب محمد بن قاسم واپسی پر دریا سندھ پار کرنے لگا تو ایک بڑھیا لاٹھی کے سہارے سامنے آئی مخاطب ہوکر کہنے لگی: محمد بن قاسم تیری فوج میری بکری کھا گئی ہے۔ دریا سندھ کے پل پر حساب دینا ہے یا پل صراط پر حساب چکانا ہے؟ جرنیل صاحب کو پسینہ آ گیا، حساب دیا، اپنی خطا کی معافی مانگی پھر پل پار کیا۔ یاد رہے کہ محمد بن قاسم کا مقابلہ برہمن راج کے بانی راجہ چچ اور رانی سوہندی کے بیٹے راجا داہر سے ہوا تھا۔

جب عوام عشق مصطفےٰ ﷺ میں ڈوب کر نظامِ مصطفےٰ کے نفاذ کے لیے مر مٹنے کا جذبہ اپنے سینے میں بسا لیتے ہیں تو پھر کفر کے گڑھ 'برطانوی ہند' کے سینے کو چیر کر ہجرتِ مدینہ جیسا جذبہ لے کر پاکستان جیسی اسلامی ریاست بنا دیتے ہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ جب حاکم کی گرفت عوام پر کمزور ہو جاتی ہے تو شیطان موقع پا کر بدامنی کی حکومت قائم کر کے خود حکمران بن بیٹھتا ہے۔ ایسی حکومت سے خیر کی توقع رکھنا اپنے آپ کو دھوکا دینا ہے۔ اسلام کا ایک ایسا دور بھی گزرا ہے کہ جب عوام بیدار تھے اور کسی کا کوئی نقصان ہوتا تو فوراً حاکم وقت پر نظر جا پڑتی تھی۔ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے دور کی بات ہے کہ کسی چرواہے کی بکری بھیڑیا اُٹھا لے گیا تو چرواہا پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر بلند آواز سے کہنے لگ گیا کہ خلیفہ فوت ہو گیا ہے خلیفہ فوت ہو گیا ہے۔ یہ سن کر لوگوں نے چرواہا سے پوچھا کہ جنگل میں تمھیں کیسے پتہ چلا کہ خلیفہ فوت ہو گیا ہے؟ چرواہے نے کہا کہ یہ بھیڑیا آج تک میری بکریوں کے ساتھ مل کر رہ رہا تھا اچانک بھیڑیے میں یہ جرأت کیسے ہوئی کہ وہ بکری اٹھا کر لے گیا۔ جس کے خوف سے وہ ایسی جرأت نہیں کر رہا تھا وہ خوف اُٹھ گیا ہے، وہ خوف حکمران ہی کا ہو سکتا ہے۔ لہٰذا وہ فوت ہو گیا ہے یہ ہے میری سورس آف انفرمیشن (SOURCE OF INFORMATION)!۔ دوسرے دن خبر آ گئی کہ خلیفہ راشد عمر ثانی عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فوت ہو گئے ہیں۔ ایسے لوگوں کو حکمرانی کا حق ہے۔ جب عوام کا اس قدر اعتماد حکمرانوں پر ہو تو اللہ تعالیٰ عمر بن عبدالعزیز جیسا نیک حکمران عطا کر دیتا ہے۔

کیا آج کی جمہوریت جو پاکستان پر راج کرتی ہے عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ جیسا حکمران عوام کو عطا کر سکتی ہے۔ بظاہر تو جمہوریت میں اصل قوت عوام کے ہاتھوں میں ہے عوام

صاحب الرائے اور غیر صاحب الرائے سب ووٹ ڈالنے کے حقدار ہیں جو اپنی مرضی سے مجلس قانون ساز میں اپنے نمائندے انتخاب کے ذریعے بھیجتے ہیں۔ اگرچہ اسلام کا طرزِ انتخاب اس کے برعکس ہے۔ اسلام عوام کی رائے کو دستور مرتب کرنے کا حق نہیں دیتا۔ اسلام ایک آسمانی دین ہے جس میں صرف خالق کو اپنی مخلوق پر حاکمیّت کا حق حاصل ہے (اِنِ الۡحُکۡمُ اِلَّا لِلّٰہ) اسلامی طرزِ انتخاب میں منتخب نمائندگان کو اقتدار اور اختیار صرف اس حد تک حاصل ہوتا ہے کہ وہ احکامات الٰہی کو بہ حفاظت من وعن ملک میں نافذ کر دیں۔ ورنہ وہ لوگ (وَمَنۡ لَّمۡ یَحۡکُمۡ بِمَا اَنۡزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ) کے مصداق بنتے ہیں۔

اسلام نے انتخاب میں حصہ لینے والے امیدواران کے لیے چند شرائط مقرر کیں ہیں مثلاً اُمیدوار صادق اور امین، صوم وصلوٰۃ کا پابند وغیرہ وغیرہ ہونا ضروری ہے۔ ہم جو نیک حکمران کے طلب گار ہیں، امیدوار کو ووٹ دیتے وقت یہ سوچتے ہیں کہ کیا ہم صادق اور امین اور صوم وصلوٰۃ کے پابند کو ووٹ دے رہے ہیں؟۔ وہ سوچ جو ہم سے انتخاب میں ووٹ ڈلواتی ہے، اسی سوچ کا انسان ہمارا حکمران بن جاتا ہے اور ہم اس غیر معیاری سوچ کے آدمی کو اپنے اوپر حکمران مسلّط کر لیتے ہیں۔ پھر گلہ ہے کہ نیک حکمران عطا نہیں ہو رہا حالانکہ اصول یہی ہے کہ اَعۡمَالُکُمۡ عُمَّالُکُمۡ

نیک حکمران منتخب کرنے کے لیے ہمیں اپنے دستور میں بہت سی تبدیلیاں لانی ضروری ہیں جیسے اسلامی جمہوریہ پاکستان میں ہر کس وناکس برابر وزن کا ووٹ رکھتا ہے۔ ایک بے سمجھ کا ووٹ اور دنیا جہاں جاننے والے Ph.D کوالیفکیشن رکھنے والے کا ووٹ برابر ہے یعنی انتخاب کے وقت سر گنے جاتے ہیں بندے تولے نہیں جاتے جس میں ہم دین کو سیاست سے علیحدہ کر دیتے ہیں۔ ع جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی۔ اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ چنے بو کر گندم کا خواب دیکھنا شروع کر دیتے ہیں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ عالی مقام کا کردار اسی لیے مثالی ہے کہ خود حضرت حسین صادق، امین، صوم وصلوٰہ کے پابند ہمہ صفت موصوف تھے، یزید صادق اور امین اور صوم وصلوٰہ کا پابند اور صالح نہیں تھا، جس پر آپ نے شہادت قبول فرمائی مگر مصلحت کی طرف نہیں گئے اور COMPROMISE نہیں کیا اور جس استقامت سے اپنے اس موقف پر

قائم رہے، دنیا اس کی مثال سے خالی ہے۔ اس لیے ہر کوئی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا نام لیتا ہے۔

ہماری فوج اسی لیے دنیا کی افواج سے افضل واعلیٰ اور پاکیزہ ہے کہ اس کے ہر رگ و ریشے میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ عالی مقام کا روحانی خون موج زن ہے شہادت حسین عالی مقام سے بھی یہی سبق ملتا ہے کہ نیک حکمران اشد ضروری ہے۔ ہاں بات ہو رہی تھی کہ ہر کوئی کہہ رہا ہے کہ نیک حکمران آنا چاہیے۔ کیا کبھی یہ بھی چاہا کہ میں صبح اُٹھ کر قرآن پڑھوں اور اُسے سمجھوں اور قرآن جو کردار ادا کرنے کی تلقین کرتا ہے اس کے عین مطابق زندگی کا ہر دن گزاروں۔ حضرت سلطان العارفین سلطان باہو از ہفت سلطان الفقراء فرماتے ہیں کہ منہ زبانی کلمہ پڑھنے سے مسائل حل نہیں ہوتے۔ نظام کی تبدیلی یا انقلاب خونِ جگر کا تقاضا کرتا ہے جس کا عملی نمونہ ہمارے لیے حضرت حسین عالی مقام ہیں۔ ورنہ

خرد نے کہہ بھی دیا 'لاالٰہ' تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

اگر ہر مسلمان قرآن کے حقوق پورے کرے یعنی قرآن پڑھے، سمجھے، لوگوں کو سمجھائے، خود بھی اس پر عمل کرے اور لوگوں کو بھی اس پر عمل کرنے کی دعوت دے تو مَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَی اللّٰہ کا مصداق بن سکتا ہے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ عالی مقام نے اپنی جان دے کر اور تلواروں کی چھاؤں میں قرآن پڑھ کر قرآن کی محبت کا جو سبق دیا ہے مسلمان اُسے اپنائے تو نیک حکمران کیوں نہ آئے۔ نیک حکمران اللہ کا ایک بہت بڑا انعام ہے۔ جب عوام قرآن کو سینوں میں بسالے گی تو اللہ کی رحمت سے اس بڑے انعام سے ضرور نوازی جائے گی۔

نسائی شریف میں ہے کہ ایک شخص نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ایّ النّاس افضل) لوگوں میں سب سے افضل انسان کون ہے؟ محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (من یجاھد بنفسہ وماله فی سبیل اللّٰہ) وہ انسان جو اپنی جان اور مال سے اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے وہ لوگوں میں سب سے افضل ہے۔ قرآن مجید میں حکم ہے "وَجَاهِدُوْا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِهَادِهٖ"۔ یعنی کلمہ حق کی سربلندی کے لیے اپنی تمام تر خداداد صلاحیتیں (مالی، جانی، عقلی وفکری وغیرہ) کو قربان کر ڈالے۔ بقولِ اقبال

؎ شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

جب مسلمان عوام ایک طرف اپنے نفس امارہ کے خلاف اور دوسری طرف معاشرے کی برائیوں، بے حیائیوں اور باطل نظام یعنی ظالم (وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ کے مصداق) حکمرانوں کے خلاف، کلمہ حق کی سربلندی کے لیے ہمہ تن اور ہمہ وقت کوشاں رہتی رہے اور اپنی تمام تر خداداد صلاحیتیں اس میں لگاتی رہے تو اللہ جل شانہ کی رحمت سے نظامِ مصطفےٰ ﷺ جاری اور ساری ہوجاتا ہے یہی نظام ہے جس کا نیک حکمران جزولاینفک ہے۔ یہ سب کچھ اُس وقت ہوتا ہے جب عوام قرآن سے سینوں کو سجالے۔

نظامِ مصطفےٰ کے لیے کام کرنے والے عشاقِ رسول ﷺ ہوں خلوص کے پیکر ہوں، اسلام کے شیدائی ہوں وہ آپس میں یک جان دو قالب ہوں، الفت و محبت کے خوگر ہوں، دھن دولت سے منہ موڑے ہوئے ہوں اور ذہنوں پر یہی بات سوار ہو کہ اللہ کی زمین پر قرآن و سنت جاری ہو۔ محراب و منبر اعلیٰ درجہ کے تعلیم یافتہ علماء کرام سے مزین اور مساجد گنجان آباد ہوں، گھروں اور بازاروں میں اسلامی فضا ہو، بے حیائی اور برائی سے نفرت ہو اور ظالم حکمران کے خلاف کلمہ حق بلند کیا جارہا ہو تب مسلمان ایک اور نیک بن کر محبت و اخلاص کی ایسی فضا پیدا کریں گے جس سے وہ (اپنی صفوں میں اتحاد کی بدولت) کفر کی دنیا کے خلاف شیشہ پلائی دیوار ثابت ہوں گے۔ صرف اپنے ہی ملک میں نہیں بلکہ عالم اسلام میں نظامِ مصطفےٰ کے نفاذ کے راستے کھل جائیں گے یہ اللہ کی رحمت گلستانِ اسلام میں تبھی بہار لائے گی جب آپس کی نفرتیں دور ہوں گی اور اتفاق کی خوشبو سے مسلم معاشرے کی فضا معطر ہوگی۔ تب کہیں جا کر نیک حکمران نصیب ہوگا۔

؎ ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشغر

موجودہ دور میں جیسے سرکاری مال کو ذاتی ملکیت سمجھا جائے، امانت کو مالِ غنیمت سمجھا جائے، ماں باپ کی نافرمانی کو معمولی سمجھا جائے، مساجد کے ادب لحاظ کا فقدان ہو، جب فاحشہ لڑکیاں عام میسر ہوں، برائی کے ڈر سے آدمی کی عزت کی جانے لگے، نشہ آور اشیاء کا استعمال عام

ہونے لگے، الصادق اور الامین سے ہٹ کر رذیل لوگ حکمران بننے لگ جائیں، لوگوں میں ایک دوسرے کے خلاف نفرتیں بڑھ جائیں، مرد عورتوں جیسا لباس پہننے لگ جائیں، گانا بجانا گھر گھر عام ہو، زکوٰۃ کو ٹیکس سمجھا جانے لگے ایسے حالات میں لوگوں کو نیک حکمران کہاں سے ملے گا۔ لوگوں کو چاہیے اس حدیث کے آئینہ میں اپنے ملک، اپنے وطن، اپنے معاشرے اور اپنے گھر کو دیکھیں۔ اخلاق اور روحانیت کے فقدان کی وجہ سے ایسے حالات پیدا ہوتے ہیں اور عذاب آتے ہیں۔ عذاب الٰہی سے بچنے کے لیے توبہ استغفار کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ آئیں دیکھیں کہ نیک یا عادل حکمران کون ہوتا ہے؟ جو اپنی عوام سے انصاف کرے، اپنے پرائے، امیر غریب، مضبوط اور کمزور سب کو برابر سمجھے۔ پہلے کسی ملک کی عوام کی اکثریت اپنے پرائے امیر غریب طاقت ور اور کمزور کو برابر سمجھنے لگ جائے تو ایسی عوام کے مقدر میں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے نیک حکمران لکھ دیتا ہے۔ جو لوگ ہجرت کر کے ملک حبش کو گئے اور واپسی پر رحمت للعالمین ﷺ کے حضور حاضر ہوئے آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ آپ لوگوں نے وہاں کیا دیکھا تو انھوں نے عرض کیا یارسول اللہ وہاں ہم نے یہ دیکھا کہ ایک بوڑھی عورت سر پر پانی کا گھڑا رکھے جا رہی تھی کہ پیچھے سے ایک نوجوان آیا اور اُس نے بڑھیا کو دھکا دیا تو وہ کمزور بڑھیا زمین پر گر پڑی۔ اُٹھ کر کہنے لگی: اے گندے عنقریب تجھ کو معلوم ہو جائے گا جب اللہ تعالیٰ اپنی کرسی رکھے گا اور اوّلین و آخرین کو جمع کرے گا اور ان کے ہاتھ پاؤں ان کی بدکاریوں کی گواہی دیں گے تب تجھے بھی معلوم ہو جائے گا کہ میرا اور تیرا کیا معاملہ ہے۔ یہ سن کر آپ سرکار ﷺ نے فرمایا: اس بڑھیا نے سچ کہا اور فرمایا کہ جس قوم کا یہ حال ہو کہ ان کے کمزور کے واسطے ان کے زبردست سے مواخذہ نہ کیا جائے تو کیونکر اس قوم کو اللہ تعالیٰ پاکیزہ کردار کے حکمران عطا فرمائے گا۔

جب آپس میں نفرتیں بڑھ جائیں، تھانہ کچہری کلچر عام ہو، جان، مال، عزت و آبرو غیر محفوظ ہو، کفر کی تہذیب عوام میں مروّجہ ہو، سودی یہودی نظام معیشت ہو، نظامِ تعلیم غیروں کا ہو، صلوٰۃ و زکوٰۃ اور حدود کا کوئی نظام نہ ہو اور ہر جگہ یورپی تہذیب غالب ہو تو وہاں نیک حکمران کی بجائے دین دشمن اور غیر اسلامی حکمران آیا کرتے ہیں۔

آئیں ایک ایسی پاکیزہ بستی بسائیں (پاکستان کو ایسا ملک بنائیں) جس میں

اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ اور وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا کی زنجیر میں (لوگ الفت ومحبت کے رشتے میں) ایک ہی صف میں کھڑے نظر آئیں۔ جہاں علم و عرفان کے چشمے پھوٹیں۔ جہالت تفریق اور بدی کے بت پاش پاش ہوتے نظر آئیں۔ بندہ اور بندہ نواز ایک ہی صف میں نظر آئیں، معاشرے کا ہر فرد وھم علیٰ صلاتھم یحافظون کا مصداق بن جائے، ہر کاروباری تاجر اس آیت کریمہ کے رنگ میں رنگا ہوا نظر آئے "رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَيْعٌ عِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ" معاشرے کے ہر فرد کا مقصد حیات یادِ الٰہی اور دین کی سربلندی کے علاوہ کچھ نہ ہو اور اس وقت تک چین سے نہ بیٹھے جب تک ہر طرف سے لا اِلٰہ اِلا اللہ کے آوازے سے فضا نہ گونج رہی ہو اور بستی کے ہر خطہ میں نظام مصطفےٰ کا راج نہ ہو۔ وَ قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ۔اس بستی کی خانقاہیں اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ سے اس قدر مزین ہوں کہ ہر زائر کا قلب زیارت سے وجد میں آجائے اور دور دور تک اس مرکز تجلیاتِ انوار الٰہیہ کی شعاعیں علاقہ کو منور کر رہی ہوں۔ پھر بڑھتے بڑھتے اس گلوبل ولیج کو اسی پاکیزہ بستی کے رنگ میں رنگ دیں تب جا کر کہیں نیک حکمران نصیب ہوگا۔

## مضمون میں درج حدیث مبارکہ کا متن

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: اِذَا فَعَلَتْ أُمَّتِيْ خَمْسَ عَشْرَةَ خَصْلَةً حَلَّ بِهَا الْبَلَاءُ۔ فَقِيلَ: وَمَا هُنَّ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: اِذَا كَانَ الْمَغْنَمُ دُوَلًا، وَالْأَمَانَةُ مَغْنَمًا، وَالزَّكَاةُ مَغْرَمًا، وَأَطَاعَ الرَّجُلُ زَوْجَتَهُ، وَعَقَّ أُمَّهُ، وَبَرَّ صَدِيقَهُ، وَجَفَا أَبَاهُ، وَارْتَفَعَتِ الْأَصْوَاتُ فِي الْمَسَاجِدِ، وَكَانَ زَعِيمُ الْقَوْمِ أَرْذَلَهُمْ، وَأُكْرِمَ الرَّجُلُ مَخَافَةَ شَرِّهِ، وَ شُرِبَتِ الْخُمُورُ، وَلُبِسَ الْحَرِيرُ، وَاتُّخِذَتِ الْقَيْنَاتُ وَ الْمَعَازِفُ، وَ لَعَنَ آخِرُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ أَوَّلَهَا، فَلْيَرْتَقِبُوا عِنْدَ ذَالِكَ رِيحًا حَمْرَاءَ أَوْ خَسْفًا وَ مَسْخًا (ترمذی)

# اقبال ـــــ پیغامبر حرکت وحرارت

مولانا صلاح الدین
کی کتاب ''تصوراتِ اقبال'' سے ایک باب

اقبال کے ایوانِ شاعری میں جو صدائے بازگشت فضا کو شاید اَبد تک لرزاں رکھے گی وہ اُس کے سُرودِ خودی کی گونج ہے۔ زمانہ آج بھی اُسے شاعرِ خودی کے نام سے پہچانتا ہے اور آج سے صدیوں بعد بھی اُس کے شاعرانہ تصورات میں تصورِ خودی ہی کو اوّلیت کا شرف حاصل رہے گا۔ اِسی طرح اُس نے جن تصوّرات کو متشکل کیا ہے اُن میں مردِ مؤمن کا تصوّر ایک دوامی اور امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ دونوں حقائق مسلّم ہیں اور ان کے ثبات وقیام میں شبہے کی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن شاید اس بات پر بہت کم غور کیا گیا ہے کہ اُس کی شاعری کا وہ کون سا عنصر اور اُس کے سخن کی وہ کون سی کیفیت ہے، جس نے ان تصوّراتِ فائقہ کو جنم دیا اور متشکّل کیا اور اس کے سراپائے فن میں زندگی کی روح پھونکی۔

اقبال کی شاعری کی عمر کم وبیش چالیس برس ہے۔ اس عرصے کے مختلف ادوار میں اُس نے شاعری بھی کی، ساحری بھی کی اور پیمبری بھی کی، اسی اثنا میں اُس کی جوئے سخن بہارستانِ شباب سے گنگاتی ہوئی نکلی اور صحرائے فلسفہ وحکمت کی وسعتوں کو ایک دریائے موّاج کی صورت طے کرتی ہوئی بالآخر عرفان وایقان کے یمِ ناپیدا کنار سے جا ملی اور اسی دوران میں اس کا جوہرِ طبع سخنوری اور شیوا بیانی کے مراحل سے گزر کر وجدان والہام کی قدسی رفعتوں پر جا چکا ـــــ لیکن اس سارے عملِ ارتقاء میں ایک رشتۂ مشترک اوّل سے لے کر آخر تک برابر قائم رہا اور شاعرِ مشرق کی بیشتر فنی

اور الہامی تخیلقات اس سے مربوط اور پیوستہ رہیں ـــــ میری ناچیز رائے میں یہ رشتۂ مشترک وہ روحِ سخن تھی جو کلامِ اقبال میں حرکت اور حرارت بن کر ابتداء ہی سے داخل ہوئی اور مرورِ ایام اور فروغِ فکر کے ساتھ ساتھ نشوونما پاتی ہوئی اس حد تک ترقی کر گئی کہ بالآخر شاعر کے سارے عرصۂ سخن پر محیط ہوئی۔ حرارت اور حرکت کا یہ عنصرِ مخلوط، اگر آپ ذرا غور فرمائیں، تو شعرِ اقبال کا اہم ترین اور عظیم ترین عنصر ہے اور اس میں قطعاً کوئی کلام نہیں کہ اقبال کی شاعری کا حسن و امتیاز اور اس کے پیغام کی سطوت و صولت اسی کے جمال سے مستنیر اور اسی کی قوّت سے آفاق گیر ہے۔

یہ بات کسی صاحبِ نظر سے مخفی نہیں کہ ہم نے اپنی شاعرانہ روایات عجم سے ورثے میں پائی ہیں اور اگرچہ ہمارے اکابرِ سخن میں سے ہر بلند پایہ شاعر اپنا ایک مخصوص اندازِ فکر اور ایک ممتاز اُسلوبِ اظہار رکھتا ہے، لیکن جہاں تک روایات کا تعلق ہے، اور اس تعلق اور اس کے تأثرات سے انکار کرنا محالات میں سے ہے، شعرِ عجم کی شگفتگی و شادابی، رعنائی و زیبائی اور سرمستی و دلکشائی کے خزانہ عامرہ سے ہر صاحبِ فن نے باندازۂ ہمت و بقدرِ شوق حصہ پایا۔ اقبالؔ بھی ان اکابر میں شامل تھے، لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شعرِ عجم کا وہ سرمایۂ آتشیں کہ ہزار ہا سال کی آتش و آفتاب پرستی کا نتیجہ تھا، تمام و کمال ظلمت کدہ ہند کے اسی ایک آتشِ نفس کو منتقل کیا گیا کہ بختِ ملت کی شبِ تیرہ و تار میں اپنے کاروانِ گم شدہ کی رہنمائی کا سامان بہم پہنچائے اور اپنی آتش نوائی سے اُن خفتگانِ راہ کو بیدار کر دے جن کی گراں خوابی نشورِ قیامت کے سوا اور کسی ہنگامے کی منتظر نہیں تھی۔

لیکن یہاں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ شعرِ عجم کا سوز محض ایک انفعالی کیفیت رکھتا تھا، فعّالی خصوصیات سے قطعاً نا آشنا تھا۔ وہ دل کو گداز تو کر سکتا تھا، لیکن ناسازگاریٔ زمانہ پر برق بن کر گرنا اسے نہیں آتا تھا۔ وہ سینۂ شاعر کو تو روشن کر سکتا تھا لیکن جادۂ کارواں کو مستنیر کرنا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ پس اقبال نے مجمرِ عجم سے ایک چنگاری تو ضرور مستعار لی، لیکن اُسے اپنی ہی خاکسترِ دل میں اس انداز سے فروغ دیا کہ جب وہ شعلہ بن کر چمکی تو اُس کے نور سے نہ صرف شاعر کی اپنی روح جگمگا اُٹھی بلکہ وہ آفاق بھی پُر انوار ہو گئے جہاں تک اُس کی آتش بیانی کا زیر و بم پہنچ سکتا تھا۔ اقبال کی شعلہ نوائی مشرقی شاعری میں آپ ہی اپنی مثال ہے۔ وہ بیک وقت اس سوز کی بھی حامل ہے جو دل کو گداز بخشتا ہے، اُس حرارت کی بھی سرمایہ دار ہے جو خود زندگی کا منبع ہے اور

اس روشنی کی بھی امین ہے جو حقیقت کا جلوہ دکھاتی اور صداقت کا راستہ صاف کرتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاعر کا دل خود ایک پارۂ نور ہے کہ ہر لحظہ اُس نورالانوار سے کہ زبانِ قرآن میں نورُ السّماوات و الارض ہے، کسب ضیاء کرتا اور پھر اس ضیاء کو اس انداز سے منتشر کرتا ہے کہ اس تیرہ خاکدان کی دُھند، خنکی اور ظلمت ایک دوسرے کا تعاقب کرتی ہوئی ابد کی پہنائیوں میں گم ہو جاتی ہیں۔

حرکت، حرارت کی ہمزاد ہے اور حکمتِ جدیدہ کے نزدیک زندگی کی یہ دونوں کیفیتیں بیک وقت ایک دوسرے کی خالق بھی ہیں اور مخلوق بھی۔ حرارت حرکت کو جنم دیتی اور پھر خود اس سے جنم لیتی ہیں۔ زندگی کے ان اوّلین اور بنیادی مظاہر کے اس رشتۂ باہم کا یہ ایک فطری نتیجہ تھا کہ ذہن شاعر میں بھی اُن کو نمود اور فروغ ایک ہی تحریک کے تابع ہو، چنانچہ شعرِ اقبال میں حرارت کی مختلف کیفیتوں کے ساتھ ساتھ ہمیں حرکت کی متنوّع صورتیں بھی پہلو بہ پہلو ملتی ہیں۔ یہ سچ ہے کہ ہماری شاعری کی روایات حرکت کے تصور سے قریب قریب محروم ہیں اور شعرِ عجم میں فردوسی کے سوا حرکت کا بہت کم سراغ ملتا ہے۔ لیکن نوائے عجم کی اس کمی کو سرودِ عرب پورا کر دیتا ہے اور شاعر کی روح کے تار اکثر اُس مضراب کی چوٹ سے جھنجھنا اُٹھتے ہیں، جسے غیر مرئی ہونے کے باوجود غیر حقیقی ہرگز نہیں کہا جا سکتا۔ اس کیفیت کا اظہار خود شاعر نے ایک جگہ یوں کیا ہے:

مرا ساز اگرچہ ستم رسیدہ زخمہ ہائے عجم رہا
وہ شہید ذوقِ وفا ہوں میں کہ نوا مری عربی رہی

اور پھر ایک جگہ اس طرح کہ

عجمی خم ہے تو کیا، مے تو حجازی ہے مری
نغمہ ہندی ہے تو کیا، لے تو حجازی ہے مری

اس میں کوئی کلام نہیں کہ شعرِ اقبال میں ظاہری طور پر عربی اثرات کا کوئی نمایاں سراغ نہیں ملتا، لیکن عربی شاعری کی وہ رُوح یقیناً اس میں جاری و ساری نظر آتی ہے، جو حرکت ہی کا دوسرا نام ہے۔ عرب کا بادیہ نشیں شاعر جس کی زندگی صبا رفتار گھوڑوں کی پیٹھ پر بیٹھ کر برق رفتار غزالوں کے تعاقب میں بسر ہوتی تھی، اور جس کا گھر ایک خیمۂ بے نشاں اور جس کا حجلہ ایک شغدفِ رواں ہوتا تھا، اگر اُس کا شعر سرتاسر حرکت نہ ہوتا تو یقیناً وہ زندگی سے محروم رہتا اور شعر

کہلانے کا حقدار نہ ٹھہرتا، چنانچہ فطری طور پر عرب کی صحرائی شاعری، کہ یہی اس کی حقیقی شاعری ہے، حرکت کی شاعری ہے۔ یہ سچ ہے کہ اقبال اس سے اس انداز میں متاثر نہیں ہوا، جس انداز میں وہ عجم کی شاعری اور اس کی روایات سے ہوا، لیکن عربی شاعری کی روح نے اسے بدرجۂ غایت متاثر کیا اور اُس کے شعر میں حرکت کے نفوذ کا باعث ہوئی۔

عرب کو حرارت سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اُس کے وطن کی زمین اور آسمان دونوں گرم تھے، اُسے ٹھنڈے چشموں اور خنک سایوں کی تلاش رہتی تھی۔ اس لیے اُس نے اپنی جنت کو سرد اور دوزخ کو گرم بنایا۔ اس کے خلاف ایران کے وہ خطے جن میں اس کے شعرا کی اکثریت نے فروغ پایا، نہ صرف سرسبز و شاداب بلکہ زمستاں میں انتہائی سرد اور یخ بستہ بھی تھے، اس لئے حرارت دوستی اور آتش و آفتاب پرستی نے رواج پایا اور اپنے اثرات شعر و فن کی روایات پر مرتسم کئے۔

اقبال کے ہاں ہمیں ان دونوں روایات کا ایک لطیف امتزاج ملتا ہے۔ لیکن جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں، اس نے روایت کی انفعالی کیفیت میں زندگی کی ایک نئی رُوح پھونکی اور سخن کو شاعر کے کلبہ احزاں سے نکال کر بہارستانِ عمل میں آباد کیا۔ چنانچہ جس طرح شعرِ عجم کے سوزِ دروں کو شاعر مشرق نے فروغِ نو دے کر سرچشمہ حیاتِ ملّی بنا دیا، اسی طرح شعرِ عرب کی روایاتی تب و تاب کو اپنے سخن میں سمو کر اُس قوت سے ملا دیا جو اس عالم ہست و بود میں نیابت الٰہی کی سزاوار ہے۔

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان
ہمسایۂ جبریل امیں بندۂ خاکی
ہے اس کا نشیمن نہ بخارا نہ بدخشاں
جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو، وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں، وہ طوفان

آپ نے دیکھا، آہنگ وہی رزمیۂ عرب کا ہے، لیکن حرکتِ مقامی کو توسیعِ آفاقی اور جذبۂ انفرادی کو فروغِ اجتماعی دے کر کہاں سے کہاں پہنچا دیا گیا ہے ____

موجودہ مقالے کی ضروریات کے لئے جب میں نے کل شب مجموعہ اقبال پر ایک

چھچھلتی ہوئی نگاہ ڈالی تو میرا خیال تھا کہ میں اس میں سے دس بیس مثالیں اپنے اس نظریے کی توضیح کے لئے آسانی سے انتخاب کرلوں گا، کہ از بسکہ شعرِ اقبال زندگی کی تفسیر ہے اور زندگی نام ہے اِن عناصرِ دوگانہ کا جنہیں حرکت اور حرارت کہتے ہیں، اس لئے ایک حسین اتفاق سے یہی دو عناصر اس کے شعر کے بنیادی عناصر بھی ہیں۔ اس حقیقت کو اس طرح بھی پیش کر سکتے ہیں کہ از بسکہ زندگی عبارت ہے حرکت و حرارت سے اور یہی دو قوتیں شاعرِ مشرق کے کلام و پیام میں بڑی شدت اور کثرت سے جلوہ آراء ہیں، اس لئے لامحالہ شاعرِ مشرق کا کلام نہ صرف زندگی کی حقیقی تفسیر بلکہ خوابِ زندگی کی سچی تعبیر بھی ہے۔ اس نتیجے تک پہنچنا میرے موضوع میں داخل نہیں، اگرچہ کلامِ اقبال میں سے حرکت و حرارت کے نظائر تلاش کر کے پیش کرنا یقیناً میرا فرض تھا چنانچہ جب میں نے چند مثالوں کے انتخاب کے لئے کلامِ اقبال کا ایک سرسری سا جائزہ لینا چاہا تو آپ یقین جانیے، پہلی ہی کوشش میں میرے ہاتھ شل اور میری نگاہ منجمد ہو کر رہ گئی۔ کلامِ اقبال کا قریباً ہر شعر اس کے پیامِ حرکت و حرارت کے کسی نہ کسی پہلو کا حامل اور امین ہے۔ اقبال نے اپنی زندگی میں کم و بیش پچیس ہزار اَشعار کہے ہیں۔ کلامِ اقبال کا مجموعہ ہر جگہ دستیاب ہے۔ اگر کسی کو خدا فرصت اور توفیق دے تو وہ شمار کر کے دیکھ لے، کم از کم بیس ہزار اشعار ایسے ضرور نکلیں گے، جو اس کے کلام میں حرکت و حرارت کی صدہا کیفیات کے آئینہ دار ہوں گے۔ تعجب ہے کہ کسی صاحبِ ذوق و نظر نے پیامِ اقبال کی اس حقیقت بے مثال پر کوئی مستقل کتاب آج تک نہیں لکھی حالانکہ بعض پیش پا اُفتادہ باتوں پر خونِ جگر یا اس کا کوئی ارزاں بدل بڑی فراخدلی سے صرف کیا گیا ہے۔

اب اس سے قبل کہ میں آپ کے سامنے کلامِ اقبال میں مجبوراً چند مثالیں پیش کر کے آپ سے رخصت چاہوں اور اپنے اُس خواب کو خواب ہی رہنے دوں، جو کثرتِ تعبیر کے باعث پریشان ہو کر رہ گیا ہے، میں آپ کی توجہ ایک چھوٹے سے نکتے کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اقبال نے اپنے جن تصوّرات کو مجسم کر کے بار بار اپنے کلام میں پیش کیا ہے وہ بھی انہی دو عناصر یعنی حرکت و حرارت کے علیحدہ علیحدہ یا مشترک مجسمات ہیں اور انہی کی مثبت یا منفی کیفیات سے ربطِ شدید رکھتے ہیں مثلاً اقبال کا محبوب پرندہ شاہین ہے، جو بیک وقت حرکت و حرارت کی دوگونہ صفات سے متصف ہے۔

شاہین کا تصور اقبال کے ہاں سخت کوشی، بلند پروازی، گرمی عمل اور رفعت پسندی کا مجسم تصور ہے اور اِسے اُس نے قوم کے نوجوانوں کے سامنے بار بار نمونے کے طور پر پیش کیا ہے۔ شاہین کے ضمن میں لہو کا بالتکرار ذکر آیا ہے تو لہو کی بات بھی سن لیجئے۔ لہو یا خونِ گرم اقبال کا ایک اور مجسم تصور ہے جو اس کے کلام میں اکثر و بیشتر ہمارے سامنے آتا ہے۔ اور اب ذرا غور کیجئے، لہو میں گرمی بھی ہے اور روانی بھی، وہی حرکت و حرارت، وہی حرارت و حرکت ؎

اگر لہو ہے بدن میں تو خوف ہے نہ ہراس
اگر لہو ہے بدن میں تو دل ہے بے وسواس
جسے ملا یہ متاعِ گراں بہا، اس کو
نہ سیم و زر سے محبت ہے، نے غمِ افلاس

لہو سے ذہن، نسبتِ رنگ کے باعث، معاً گل لالہ کی طرف منتقل ہوتا ہے، لالہ اقبال کا محبوب پھول ہے اور اس کثرت سے اُس کے خیابانِ سخن میں کھلا ہے کہ عرصۂ سخن پر لالہ زار کا گمان ہوتا ہے اور لالہ اقبال کے نزدیک حرارتِ زندگی کا زمینی مظہر ہے جس طرح شفق اس کا آسمانی مظہر۔

یہ گنبد مینائی ، یہ عالم تنہائی — مجھ کو تو ڈراتی ہے اس دشت کی پہنائی
بھٹکا ہوا راہی میں ، بھٹکا ہوا راہی تو — منزل ہے کہاں تیری اے لالۂ صحرائی
خالی ہے کلیموں سے یہ کوہ و کمر ورنہ — تو شعلہ سینائی ، میں شعلہ سینائی
تو شاخ سے کیوں پھوٹا، میں شاخ سے کیوں ٹوٹا — اک جذبۂ پیدائی ، اک لذتِ یکتائی
اُس موج کے ماتم میں روتی ہے بھنور کی آنکھ — دریا سے اٹھی لیکن ساحل سے نہ ٹکرائی
ہے گرمیٔ آدم سے ہنگامۂ عالم گرم — سورج بھی تماشائی ، تارے بھی تماشائی
اے بادِ بیابانی! مجھ کو بھی عنایت ہو — خاموشی و دل سوزی ، سرمستی و رعنائی

غور کیجئے سات اشعار کے اس رقصاں اور مترنم مجموعے میں حرکت و حرارت کے سات مختلف تصورات ہیں۔ ہوائے صحرا میں گل لالہ کی۔ کہ خود شعلہ سینا کی صورتِ روئیدہ ہے، اپنی منزل کی تلاش کی سرگردانی اور جذبہ پیدائی کی تسکین کے لئے سینۂ زمین سے رونمائی۔ پھر اُس موجِ ناکام کی نارسائی کہ ضعفِ حرکت کے باعث ساحل کے تصادم سے محروم رہی، پھر تماشا گاہِ عالم

میں آدم کی گرمیٔ کار، اس کی نیرنگیاں اور نظر فریبیاں اور آخر میں وہی خالص عربی فضائے شعر ـــــــ بادِ بیابانی کی دل سوزی و سرمستی سے شاعر کا اکتسابِ فیض۔

موجِ دریا اور بادِ صحرا کی جولانیوں سے نگاہ ہٹائیں تو ہوائے شام میں اقبال کا ایک اور تصوّرِ مجسم رقصاں نظر آتا ہے۔ یہ کرمکِ شب تاب ہے، اور آپ تعجب فرمائیں گے کہ اس ایک حقیر کیڑے پر کلام اقبال میں پوری پانچ نظمیں موجود ہیں جو اُس کی تابانی و نور افشانی اور تجسیم نور کی توضیح و تفسیر کرتی ہیں۔

یک ذرّہ بے مایہ متاعِ نفس اندوخت  شوق این قدرش سوخت کہ پروانگی آموخت
پنہائے شب افروخت

واماندہ شعاعے کہ گرہ خورد و شرر شد  از سوزِ حیات ست کہ کارش ہمہ زر شد
دارائے نظر شد

پروانۂ بے تاب کہ ہر سو تگ و پو کرد  بر شمع چناں سوخت کہ خود را ہمہ اُو کرد
ترک من و تو کرد

یا اختر کے ماہِ مبینے بہ کمینے  نزدیک تر آمد بہ تماشائے زمینے
از چرخِ بریں

یا ماہِ تنک ضو کہ بہ یک جلوہ تمام است  ماہے کہ برو منّت خورشید حرام است
آزادِ مقام است

میں نے شعرِ اقبال میں تصوراتِ مجسم کا یہ قدرے تفصیلی ذکر دو وجوہ سے کیا ہے: پہلی وجہ تو اس امر کا اظہار ہے کہ اقبال نے اپنے نگارخانۂ سخن میں جتنے تصورات کو مجسم کیا ہے، وہ ادنیٰ ہوں یا اعلیٰ، بلند ہوں یا پست، عظیم ہوں یا حقیر، وہ سب کے سب حرارت یا حرکت یا ان دونوں عناصر کے مشترک مظاہر ہیں۔ دوسری غرض اس تفصیل سے یہ ہے کہ حرکت و حرارت کے مظاہر میں سے اقبال نے کسی ایک کو محض اس لئے نظر انداز نہیں کیا کہ وہ فرومایہ یا حقیر ہے، جہاں کہیں اُسے اپنے پیامِ زندگی کے اِبلاغ کا موقع ملا ہے وہاں اُس نے مہرِ عالم تاب اور کرمک شب تاب میں کوئی تمیز روا نہیں رکھی اور موجۂ دریا اور لالۂ صحرا کو یکساں طور پر وسیلۂ اظہار اور ذریعۂ اثبات بنایا

ہے۔ مستزاد اس پر یہ کہ حرکت وحرارت کے مظاہر کے سوا اُسے کوئی اور تصوّرِ مجسم ہاتھ نہیں لگا جس سے وہ اپنے تصویرِ محل کی رونق میں اضافہ کرسکتا۔ اس میں شاعر کے عجز کو دخل نہیں، بلکہ یہ محض اُس کی صوابدید کا کرشمہ ہے۔ اور اب چند بکھری ہوئی مثالیں۔ اس موقعے پر اقبال کے طالب علموں کے سامنے اُس کے کلام کے بیسیوں مقامات اُبھریں گے، مگر میں محض چند ایسے اقتباسات پیش کرنے پر اکتفا کروں گا، جو چنداں پیش پا اُفتادہ نہیں، اس لئے ایک کیفیت ندرت لئے ہوئے ہیں۔

بانگِ درا اقبال کا پہلا مجموعہ ہے اور جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، بجائے خود ایک پیغامِ رحیل ہے۔ اس میں اقبال کا وہ معرکہ آراء مرثیہ شامل ہے جس کا عنوان ہے کہ ''والدہ مرحومہ کی یاد میں''۔ مرثیے کی دل دوز اور اَلم ناک فضا میں بظاہر حرکت وحرارت کی موجودگی کے بہت کم امکانات نظر آتے ہیں۔ لیکن ذرا دیکھئے:

تخمِ گل کی آنکھ زیرِ خاک بھی بے خواب ہے
کس قدر نشوونما کے واسطے بے تاب ہے
زندگی کا شعلہ اس دانے میں جو مستور ہے
خود نمائی ، خود فزائی کے لیے مجبور ہے
سردیٔ مرقد سے بھی افسردہ ہو سکتا نہیں
خاک میں دب کر بھی اپنا سوز کھو سکتا نہیں
پھول بن کر اپنی تربت سے نکل آتا ہے یہ
موت سے گویا قبائے زندگی پاتا ہے یہ
ہے لحد اُس قوتِ آشفتہ کی شیرازہ بند
ڈالتی ہے گردن گردوں میں جو اپنی کمند
موت، تجدیدِ مذاقِ زندگی کا نام ہے
خواب کے پردے میں بیداری کا اک پیغام ہے
خوگرِ پرواز کو پرواز میں ڈر کچھ نہیں
موت اس گلشن میں جز سنجیدنِ پر کچھ نہیں

پردۂ مشرق سے جس دم جلوہ گر ہوتی ہے صبح
داغ شب کا دامنِ آفاق سے دھوتی ہے صبح
لالۂ افسردہ کو آتش قبا کرتی ہے یہ
بے زباں طائر کو سرمستِ نوا کرتی ہے یہ
سینۂ بلبل کے زنداں سے سرود آزاد ہے
سینکڑوں نغموں سے بادِ صبح دم آباد ہے
خفتگانِ لالہ زار و کوہسار و رودبار
ہوتے ہیں آخر عروس زندگی سے ہمکنار
یہ اگر آئینِ ہستی ہے کہ ہو ہر شام صبح
مرقد انساں کی شب کا کیوں نہ ہو انجام صبح

اس عالمِ ہست و بود کی مختلف منازل میں سے موت کا مقام ہی ایک ایسا مقام ہے جہاں پہنچ کر انسان بالکل بے بس اور مجبور ہو جاتا ہے اور موت کا پنجۂ آہنیں اُس کے ارادوں اور عزائم، اُس کی تمناؤں اور اُمیدوں اور اُس کے حوصلہ و وقار کو اپنی گرفت میں لے کر چکنا چور کر دیتا ہے۔ لیکن دیکھئے اس مقام پر پہنچ کر بھی شاعرِ مشرق اپنی شکست تسلیم نہیں کرتا اور اپنی ماں کے مرقد پر وہ سرنگوں نہیں ہوتا، بلکہ اُفق خاور کی طرف دیکھتا ہے اور زندگی کی ایک نئی صبح کو خوش آمدید کہتا اور خود زندگی کی نمود و درخشانی کا پیغامِ جاوداں دیتا ہے۔ اکتساب و انتشار نور اور تحریک و توسیع زندگی کی اس سے خوب تر مثال دُنیا کی ادبیات عالیہ میں شاید ہی کہیں مل سکے۔

اور اب ایک اور منظر جمیل دیکھئے:

طلوعِ اسلام:

دلیل صبح روشن ہے ستاروں کی تنک تابی
اُفق سے آفتاب اُبھرا، گیا دورِ گراں خوابی
عروق مردۂ مشرق میں خونِ زندگی دوڑا
سمجھ سکتے نہیں اس راز کو سینا و فارابی

مسلماں کو مسلماں کر دیا طوفانِ مغرب نے
تلاطم ہائے دریا ہی سے ہے گوہر کی سیرابی
اثر کچھ خواب کا غنچوں میں باقی ہے تو اے بلبل!
''نوا را تلخ تر می زن چو ذوقِ نغمہ کم یابی''
تڑپ صحن چمن میں آشیاں میں شاخساروں میں
جدا پارے سے ہو سکتی نہیں تقدیر سیمابی
ضمیر لالہ میں روشن چراغِ آرزو کر دے
چمن کے ذرے ذرے کو شہید جستجو کر دے
سرشک چشم مسلم میں ہے نیساں کا اثر پیدا
خلیل اللہ کے دریا میں ہوں گے پھر گہر پیدا
اگر عثمانیوں پر کوہ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے
کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا
ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا
نوا پیرا ہو اے بلبل کہ ہو تیرے ترنم سے
کبوتر کے تن نازک میں شاہیں کا جگر پیدا
ترے سینے میں ہے پوشیدہ راز زندگی کہہ دے
مسلماں سے حدیث سوز و ساز زندگی کہہ دے

اوراب باقی ساقی نامہ کے چند شعر سنا کر آپ سے رخصت ہوتا ہوں۔یقین ہے کہ آپ اس کے زیر و بم کو حرکت و حرارت کی آمیزش نادر سے ہم آہنگ پائیں گے۔

ہوا خیمہ زن کاروان بہار — اِرم بن گیا دامن کوہسار
جہاں چھپ گیا پردۂ رنگ میں — لہو کی ہے گردش رگِ سنگ میں
وہ جوئے کہستاں اُچکتی چلی — اٹکتی ، لچکتی ، سرکتی چلی

اُچھلتی ، پھسلتی ، سنبھلتی ہوئی
بڑے پیچ کھا کر نکلتی ہوئی

رُکے جب تو سِل چیر دیتی ہے یہ
پہاڑوں کے دل چیر دیتی ہے یہ

ذرا دیکھ اے ساقی لالہ فام
سناتی ہے یہ زندگی کا پیام

پلا دے مجھے وہ مے پردہ سوز
کہ آتی نہیں فصل گل روز روز

وہ مے جس سے روشن ضمیر حیات
وہ مے جس سے ہے مستیٔ کائنات

وہ مے جس میں ہے سوز وسازِ ازل
وہ مے جس سے کھلتا ہے رازِ ازل

اُٹھا ساقیا پردہ اس راز سے
لڑا دے ممولے کو شہباز سے

زمانے کے انداز بدلے گئے
نیا راگ ہے ، ساز بدلے گئے

دلِ طورِ سینا و فاراں دو نیم
تجلی کا پھر منتظر ہے کلیم

وہ صوفی کہ تھا خدمت حق میں مرد
محبت میں یکتا ، حمیت میں فرد

عجم کے خیالات میں کھو گیا
یہ سالک مقامات میں کھو گیا

بجھی عشق کی آگ ، اندھیر ہے
مسلماں نہیں ، راکھ کا ڈھیر ہے

شراب کہن پھر پلا ساقیا
وہی جام گردش میں لا ساقیا

مجھے عشق کے پر لگا کر اُڑا
مری خاک جگنو بنا کر اڑا

تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے
دلِ مرتضیٰؓ ، سوزِ صدیقؓ دے

ترے آسمانوں کے تاروں کی خیر
زمینوں کے شب زندہ داروں کی خیر

جوانوں کو سوزِ جگر بخش دے
مرا عشق ، میری نظر بخش دے

مری ناؤ گرداب سے پار کر
یہ ثابت ہے تو اُس کو سیار کر

دما دم رواں ہے یمِ زندگی
ہر اک شے سے پیدا رمِ زندگی

اسی سے ہوئی ہے بدن کی نمود
کہ شعلے میں پوشیدہ ہے موجِ دُود

فریب نظر ہے سکون و ثبات
تڑپتا ہے ہر ذرّہ کائنات

ٹھہرتا نہیں کاروانِ وجود
کہ ہر لحظہ ہے تازہ شانِ وجود

سمجھتا ہے تو راز ہے زندگی — فقط ذوقِ پرواز ہے زندگی
بہت اس نے دیکھے ہیں پست و بلند — سفر اس کو منزل سے بڑھ کر پسند
سفر زندگی کے لیے برگ و ساز — سفر ہے حقیقت ، حضر ہے مجاز
اُلجھ کر تڑپنے میں لذت اسے — تڑپنے پھڑکنے میں راحت اسے
گل اس شاخ سے ٹوٹتے بھی رہے — اسی شاخ سے پھوٹتے بھی رہے
سمجھتے ہیں ناداں اسے بے ثبات — اُبھرتا ہے مٹ مٹ کے نقش حیات
بڑی تیز جولاں ، بڑی زود رس — ازل سے ابد تک رمِ یک نفس

زمانہ کہ زنجیر ایام ہے
دموں کے الٹ پھیر کا نام ہے

اوراب چلتے چلتے ایک لطیفہ سن لیجیے۔اقبال کو جو دشمنی خنکی اور دوستی حرارت سے تھی اس کا تقاضا تھا کہ وہ اپنی جنت کو ایک ہنگامہ زار اور اپنے جہنم کو ایک سرد خانۂ تاریک کی صورت عطا کرے۔ چنانچہ وہ اپنی سیر فلک کی کہانی یوں بیان کرتے ہیں۔

کیا سناؤں تمہیں ارم کیا ہے — خاتم آرزوئے دیدہ و گوش
شاخ طوبیٰ پہ نغمہ ریز طیور — بے حجابانہ حور جلوہ فروش
ساقیان جمیل جام بدست — پینے والوں میں شور نو شانوش

---

دور جنت سے آنکھ نے دیکھا — ایک تاریک خانہ، سرد و خموش
طائع قیس و گیسوئے لیلیٰ — اس کی تاریکیوں سے دوش بدوش
خنک ایسا کہ جس سے شرما کر — کرۂ زمہریر ہو رو پوش
میں نے پوچھی جو کیفیت اس کی — حیرت انگیز تھا جوابِ سروش
یہ مقام خنک جہنم ہے — نار سے ، نور سے تہی آغوش
شعلے ہوئے ہیں مستعار اس کے — جن سے لرزاں ہیں مرد عبرت کوش

اہل دنیا یہاں جو آتے ہیں
اپنے انگار ساتھ لاتے ہیں

(یوم اقبال 54ء کے موقع پر پڑھا گیا)

---

# مکہ المکرّمہ ___ یعنی بیت اللہ
# کی مرکزیت اور اہمیت

AN INTERVIEW
Dr. ABD-AL-BASIT SAYYID (Egyptian national)
With AL MAJID TV (SAUDI ARABIA)
16 JANUARY 2005

**(https://www.youtube.com/watch?v=clQlDCFj3ok)**

آج تسخیر کائنات میں اتنی پیش رفت ہوچکی ہے کہ انسان، چاند سے آگے نکل کر مریخ اور دوسرے سیاروں کی تحقیقات میں مصروف ہے اور تخلیق کائنات کے سربستہ راز آئے روز منکشف ہورہے ہیں۔ ذیل میں مصر کے ایک عالم فلکیات کا انٹرویو اور اس کا اُردو ترجمہ پیش خدمت ہے۔ امید ہے کہ قارئین کرام اس کے مطالعہ سے اپنے دینی جذبات میں تازگی اور حیرت انگیز سکون محسوس کریں گے۔ (ادارہ)

The centrality of Macca has been proven scientifically, how?, when they travelled to out space and took pictures of the earth, they saw it is a dark hanging sphere. The man said: Earth is dark hanging sphere.

Q. Who said that ?

A. Neil (Armstrong). Armstrong was basically trying to say Allah is one who hung it. They discovered that earth emits radiation and they wrote about this on the web. They left the items there for 21 days and then they made it disappeared. Why did they make it disappeared, there was intent there.

Q. So it may be said that this suppression of

information was significant?

A. It was very significant since in the Kaba (Macca), they said it emits radiation. This radiation is short wave when they discovered this radiation, they started to zoom in and they found that it emanates from Macca and to be precise from the Kaba.

Q. My God

A. It was said, does this radiation have an effect, they found that this radiation is infinite when they reached Mars and began to take pictures, they found that radiation continue to beyond. They said that the wavelength known to us or rather the shortness of the wavelength known to us, this radiation had a special characteristic. It is infinite and I believe that the reason is that this radiation connects the (earthly) Kaba with the celestial Kaba. Imagine that you are the north pole and I am the south pole, in the middle, there's what is called the magnetic equilibrium zone. If you place a compass then, the needle would not move.

Q. You mean the pull is equal from both sides?

A Yes, and that is why it's called zero magnetism zone since the magnetic force has no effect there. That is why, if some one travel to Macca or live there, he live longer, is healthier and is less effected by earth's gravity. That is why when you circle the Kaba, you get charged with energy. Allah be praised, yes this is fact.

Q. This is a significant fact?

A Because you are distant from earth magnetic fields, have no effect on you in this case. There is a study that proves that the black basalt rocks in Macca are the oldest rock, in the world. This is the truth.

Q. The oldest rock?

A. Yes has this been proved scientifically. It has been

scientifically proven and the study has been published. They took basalt rock from Macca and investigated the place where thy were formed. In the British Museum, there are three piece of the black stone (from the Kaba) and they said that this rock

B. did not come from our solar system.

---

ترجمہ: حاجی منظور انور

مکہ معظّمہ کی مرکزیت سائنسی بنیادوں پر ثابت ہوچکی ہے۔ وہ کیسے؟ جب انھوں نے خلائی سفر کیا اور انھوں نے زمین کی تصویریں لیں تو انھیں ایک سیاہ دائرہ (کرہ) نظر آیا۔ اس آدمی نے کہا: زمین ایک لٹکتا ہوا سیاہ کرّہ ہے۔

سوال: کس نے کہا؟

جواب: Nail (Armastrong)۔ نیل آرمسٹرانگ بنیادی طور یہ کہنے جارہا تھا کہ یہ اللہ ہی ہے جس نے اسے لٹکایا ہوا ہے۔ انھوں نے دریافت کیا کہ زمین سے تابکاری (شعاع) کا اخراج ہوتا ہے، انھوں نے اس سے متعلق ویب سائٹ پر تحریر کیا اور یہ آئٹم 21 دنوں کے لئے وہیں چھوڑ دی پھر اسے غائب کردیا تھا۔ انھوں نے اسے غائب کیوں کیا تھا؟ اس میں ان کا کوئی مقصد تھا۔

سوال: یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس اہم انفارمیشن کو وہ پوشیدہ رکھنا ضروری تھا؟

جواب: یہ بہت ہی اہم تھا اس لئے کہ اس میں کعبہ (مکہ) تھا جہاں سے تابکاری (شعاعوں) کا اخراج ہورہا تھا جب انھوں نے اسے دریافت کیا تو یہ تابکاری (شعاع) کی مختصر سی لہر تھی جب انھوں نے اسے ZOOM کرنا شروع کیا تو پتہ چلا کہ یہ شعاعیں مکہ سے ہیں اور عین کعبہ سے نکل رہی ہیں۔

میرے اللہ!!

یہ کہا گیا کہ یہ شعاعیں اثر انداز ہوسکتی ہیں؟ تو انھوں نے کہا کہ یہ شعاعیں لامحدود ہیں جب وہ مریخ پر پہنچے اور تصویریں لینا شروع کیں تو انھوں نے ان شعاعوں کو مسلسل اپنی دسترس سے باہر پایا انھوں نے کہا کہ اس شعاع سے پتہ چلتا ہے یا ان کا چھوٹا ہونا خصوصیت کا حامل ہے یہ لامحدود ہیں۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ شعاع زمینی کعبہ کو بیت المعمور

(celestial kaba) سے ملاتی ہیں فرض کریں کہ آپ شمالی خطے میں اور میں جنوبی خطے میں ہوں تو درمیان میں یہ مقناطیسی توازن کہا جاسکتا ہے اگر آپ یہاں کمپاس رکھیں تو اس کی سوئی حرکت نہیں کرے گی

سوال: آپ کا مطلب ہے کہ دونوں طرف برابر کھنچاؤ ہے؟

جواب: ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ زیرومقناطیسی علاقہ ہے کیونکہ مقناطیسی طاقت یہاں اثر انداز نہیں ہوسکتی ہے یہ اس لئے ہے کہ اگر کوئی مکہ کی طرف سفر کرے یا مکہ میں رہتا ہے تو وہ زیادہ عمر پاتا ہے وہ زیادہ صحت مند ہوتا ہے اور اس پر کشش ثقل کم اثر انداز ہوتی ہے یہ اس لئے ہے کہ جب تم طواف کرتے ہو تو تمہاری طاقت میں اضافہ ہوتا ہے۔ اللہ ہی قابل تعریف ہے یہ ہی اصل حقیقت ہے۔

سوال: کیا یہ حقیقت اہم ہے؟

جواب: کیونکہ تم زمینی مقناطیسیت سے فاصلے پر ہو اس طرح تم پر کوئی اثر نہیں ہوتا یہ وہ تحقیق ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مکہ میں موجود یہ سیاہ بیسالٹ چٹانیں (black basalat Rocks) دنیا کی قدیم ترین ہیں اور یہ سچ ہے

سوال: قدیم ترین چٹانیں؟

جواب: جی ہاں یہ سائنسی بنیادوں پر ثابت ہو چکا ہے اور تحقیقاتی رپورٹ بھی شائع بھی ہو چکی ہے وہ بیسالٹ چٹان کو مکہ سے لے کر گئے اور اس جگہ کی بھی تحقیق کی جہاں سے ملی تھیں برٹش میوزیم میں کعبہ سے لئے گئے اس سیاہ پتھر کے تین ٹکڑے موجود ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ چٹان ہمارے نظام شمسی (سولر سسٹم) میں نہیں آتے ہیں۔

---

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ : رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَا مِنْ شَیْءٍ أَثْقَلُ فِی الْمِیْزَانِ مِنْ حُسْنِ الْخُلُقِ (ابوداود، عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ)

''اعمال کے ترازو میں کوئی چیز حسن اخلاق سے زیادہ وزنی نہیں ہے'' (الحدیث)

# ردّ الفساد

محمد فہیم
تیمر گرہ ضلع دیر (لوئیر)

دہشت گردی اللہ کی زمین پر ایک عظیم فساد ہے اور فساد کو ختم کر کے امن قائم کرنا انسان کا بحیثیت انسان اور ''خلیفہ فی الارض'' کا بنیادی فریضہ ہے۔ پاکستان جو ایک اسلامی مملکت اور ایٹمی قوت ہے، بیرونی اور اندرونی دشمنوں کے نشانے پر ہے۔ یاد رہے دو ہی چیزیں ایسی ہیں جس نے پاکستان کے متعلق دشمن کو نہ صرف یہ کہ پریشان کیے رکھا ہے بلکہ اسے اس کے خلاف ہر قسم کی تخریبی کارروائی کرنے اور اس کے عدم استحکام کے لیے مختلف قسم کی سازشیں کرنے پر اُبھارا ہے۔ اور وہ دو عظیم نعمتیں جو پاکستان کو حاصل ہیں وہ نمبر 1 نظریۂ پاکستان یعنی نظریۂ اسلام ہے اور نمبر 2 پاکستان کی ایٹمی قوت ہے۔ اب دیکھیں یہی دو عناصر ہیں جن کی وجہ سے مملکت پاکستان دشمنوں کی نظروں میں روز اوّل سے کھٹکتا ہے۔ چنانچہ جب سے ہم امریکہ کی جنگ میں ایک فوجی ڈکٹیٹر کی بزدلی اور غلط پالیسی کی وجہ سے شامل ہو چکے ہیں اسی دن سے پاکستان کو کمزور کرنے، اس کی معیشت کو تباہ کرنے اور اس کے انسانی اور قدرتی وسائل کو نقصان پہنچانے کے لیے دشمن نے اپنی ظاہری اور در پردہ سازشیں شروع کی رکھی ہیں، چنانچہ نہایت ظالمانہ کارروائیوں جیسے آرمی پبلک سکول پشاور پر حملہ اور نتیجتاً 150 معصوم جانوں کی شہادت نے قوم کو مجبور کیا کہ وہ اپنی مسلح افواج کے پیچھے کھڑے ہو کر ''ضرب عضب'' کو اخلاقی اور سیاسی استحکام دے۔

الحمدللہ اس فوجی اقدام سے دہشت گردوں کا کافی حد تک قلع قمع ہو چکا تاہم دہشتگردی

پوری طرح ختم نہ ہوئی اور اس نئے سال 2017ء کی ابتداء ہی میں چند نہایت دردناک واقعات رونما ہوئے اور نتیجتاً اب ''ردالفساد'' کے نام سے دہشتگردوں کے خلاف ملک گیر آپریشن جاری ہے۔ دہشتگردی کے خلاف قومی، سیاسی اور فوجی کسی بھی قسم کے اقدامات کے معاملہ میں دو آراء نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا ہر طبقہ دہشتگردی کے خلاف کارروائی کو نہ صرف یہ کہ ضروری سمجھتا ہے بلکہ اسے ایک ناگزیر قومی اقدام کے طور پر تسلیم بھی کرتا ہے۔ ملک کے علماء، مفتیان کرام اور مسجد و منبر سے بھی ''ردالفساد'' کی حمایت میں پُرزور آوازیں آرہی ہیں۔

قوم کو یہ بھی پتہ ہے اور ہمارے حکمرانوں اور پالیسی میکرز کو بھی معلوم ہے کہ وہ کونسی بیرونی قوتیں ہیں جو ہماری زمین پر 'فساد' برپا کرنے کے لیے سازشیں کرتی آرہی ہیں اور دہشتگردی پھیلا رہی ہیں۔ اس سلسلہ میں بھارت اور افغانستان کے نام پر تو ہر پاکستانی بشمول حکمران طبقہ متفق ہیں کہ بھارت افغانستان کی سرزمین سے دراندازی کر کے پاکستان میں دہشتگردی کرانے کا سب سے بڑا اور طاقتور کردار ہے۔ ''فساد فی الارض'' کے لیے ردّالفساد کا نام موزوں عربی الفاظ سے مرکب ہیں اور یہ اصطلاح یقیناً ایک ہمہ گیر پس منظر کو سامنے رکھ کر وضع کی گئی ہوگی۔ یہ کہ اس سرزمین پاک میں ''فساد'' کی اقسام اور اس کے مختلف صورتوں اور رنگ و روپ کو نہ صرف یہ کہ پہچاننے کی ضرورت ہے بلکہ یہ بات بھی ناگزیر ہے کہ جو مملکت اسلام کے نام پر لاکھوں قربانیوں اور اللہ تعالیٰ سے وعدوں کی بنیاد پر وجود پذیر ہو چکی ہو وہاں کسی قسم کی ''فساد'' کو پنپنے نہ دیا جائے اور ہر فساد کے لیے ''ردّالفساد'' کا اہتمام کیا جائے۔

آیئے ایک نظر بازگشت ڈالیں کہ اس پاک دھرتی پر کتنی اقسام کے فساد ہیں جو کھلے عام اور بسا اوقات حکمران طبقات کے ناک کے تحت وہ قوتیں کرا رہی ہیں جنھیں پاکستان، نظریہ پاکستان، اسلام، علامہ اقبالؒ اور حضرت قائداعظمؒ سے دشمنی اور بیر ہے۔ تو کیا ضروری نہیں کہ ان تمام ''فسادوں'' کے علمبرداروں کے خلاف ''ردّالفساد'' کا آغاز ہو۔

الحمدللہ پاکستان کی مسلح افواج ایک پاک اور مقدس نظریہ پر یقین رکھتی ہیں اور اس نے اس پاک سرزمین کو جغرافیائی اور نظریاتی دونوں قسم کی تحفظ کے لیے ہر وقت اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا ہے۔ دوسری طرف سول حکومت خواہ کسی کی بھی ہو وہ بھی تو مسلمان ہونے اور اس ملک

کے نظریہ پر یقین رکھنے کا اقرار کر چکی ہوتی ہیں اور اس کے نظریہ کے ساتھ وفاداری کا حلف اُٹھا چکی ہوتی ہیں اور یہاں کے عوام بھی الحمدللہ مسلمان ہیں گو کہ ہمارے اندر بے عملی اور بدعملی سرایت کر چکی ہیں لیکن پھر بھی ہم مسلمان ہیں اور عوام الناس ملک کے بنیادی نظریہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ لہٰذا ہمارے ایمان، اسلام اور حب الوطنی کا تقاضا ہے کہ ہم ہر اس سازش، برائی، دہشتگردی، فساد، اور ظلم کے خلاف اقدام کریں جو ہمارے بنیادی نظریہ اور فکر کو زک پہنچا دیتی ہیں۔ میں اپنے قارئین اور اربابِ اختیار کے سامنے چند چیزیں رکھ کر ان کی توجہ کہ اس طرف مبذول کرانے کی کوشش کرتا ہوں۔

پچھلے دنوں ایک عدالت نے سوشل میڈیا پر نبی مکرم ﷺ اور مقدس شخصیات، اُمہات المومنینؓ، اصحاب کرامؓ اور قرآن پاک کی توہین پر مبنی مواد کے خلاف نوٹس لے کر جسٹس شوکت صدیقی کا حکم اس بات کا مکمل ثبوت ہے کہ اس نظریاتی ملک میں گستاخانہ حرکات دھڑلے سے ہو رہی ہیں۔ اسلام کی رو سے ایسی حرکات کھلم کھلا فساد ہی کے زمرے میں آتی ہیں۔ قرآن کے اوراق پر ایک عمیق نظر ڈالی جائے تو جو کچھ سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ اسلام ایک ''اصلاح'' ہے اور کفر 'فساد' ہے۔ کفر کا غلبہ فساد ہے۔ اللہ کے رستے سے روکنا فساد ہے۔ اللہ کے حکم اور اطاعت سے نکل کر اپنی آزاد مرضی سے خواہشات کا غلام بن کر سب کچھ کر گزرنا فساد ہے۔ حرام خوری اور حرام خور کو معاشرہ میں کھلے چھوڑ کر پنپنا فساد ہے۔ حرام راستوں سے دولت سمیٹ لینا اور حرام کاموں پر خرچ کرنا فساد ہے، معاشرہ کو فحاشی اور عریانی کے سیلاب میں چھوڑ کر اور اسے آزادی کا نام دے کر آنکھیں بند کرنا فساد ہے۔ معروفات کو روکنا اور منکرات کی حوصلہ آفزائی کر کے ان کو معاشرہ میں پھیلانا خوفناک فساد ہے۔ کرپشن فساد ہے اور حکمرانوں کا کرپشن تو ''فساد الفساد'' ہے۔

عدل وانصاف کا فقدان اور انصاف کو بھاری قیمت کی فیس دے کر وصولی کرنے کا عمل فساد ہے۔ یہ استحصال جس میں ایک طبقہ جو اس عظیم آبادی کا 2 فیصد بھی نہیں اللوں تللوں میں رہتا ہے اور ان کے بیرونی بینکوں میں ڈھیروں دولت اور آف شور کمپنیاں ہیں جبکہ عظیم اکثریت روٹی اور سر چھپانے کی جگہ کے لیے ترس رہی ہے، فساد ہی ہے۔ یہ عریاں اور نیم برہنہ حوّا زادیاں جو شانہ بشانہ کا ترانہ گاتی ہوئی بازاروں، کلبوں، ہوٹلوں، رقص گاہوں کے علاوہ ٹی وی سکرین پر ہر

وقت جلوہ افروز ہوتی ہیں فساد ہی ہیں۔ یہ پیر اور گدی نشین جو مزاروں کی کروڑوں کی آمدنیوں پر عیش عشرت کی زندگیاں گزارتے ہیں اور اس دولت کے بل بوتے پر سیاست کی راہ سے اقتدار کے مزے لے رہے ہیں فساد ہی ہیں۔ ان مزاروں پر ''دھمال'' ڈالنے والے تو وہاں کی روکھی سوکھی کھاتے ہیں مکھن تو ان ہی کے پاس چلا آتا ہے۔

تعلیمی نصاب سے نظریہ پاکستان، اسلام، پیغمبر اسلام، قرآن اور اخلاقیات کے متعلق اسباق کو کرچ کران کی بجائے بیل، بندر اور کتے کی کہانیاں ڈالنا فساد ہی ہے۔

مسلک کی بنیاد پر دوسروں پر کفر کے فتوے لگانا فساد ہی فساد ہے۔ مذہبی تعصب، علاقائی تعصب، لسانی تعصب، جغرافیائی تعصب، صوبہ جاتی تعصب، نسلی تعصب پر مبنی رویے بھی فساد در فساد ہی ہیں۔ اسلامی شعائر نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد، داڑھی، تسبیح، حرمین شریفین، قرآنی احکام اور دینی شعائر کا مزاق اُڑانا کس زمرے میں آتے ہیں؟ کیا یہ فساد نہیں؟ یہ بے دین اور بے خدا اور مادر پدر آزاد مغربی جمہوریت فساد ہی فساد ہے۔

اسلام میں جمہوریت موجود ہے مگر وہ جمہوریت مادر پدر آزاد نہیں بلکہ ایک پابند اور کنٹرولڈ جمہوریت ہے جس کے رائج کرنے سے معاشرہ میں اصلاح آئے گی اور فساد ختم ہو جائے گا۔ مغربی جمہوریت میں تو 51 فی صد کی اکثریت والی رائے سے دو عورتوں اور دو مردوں کے درمیان میاں بیوی جیسی زندگی گزارنے کا قانون بھی قانون بنایا جاتا ہے تو کیا اس سے بڑھ کر فساد کی کوئی مثال ہو سکتی ہے؟ لہٰذا ہم تمام یعنی سول حکومت اور حکمران، عسکری قیادت اور ہمارے فوجی جوان جو اللہ کی فوج ہے اور اسلام کی فوج ہے اور عوام سب مل کر فساد کی ان تمام اقسام و انواع کے خلاف ایک زبردست ''ردالفساد'' کا آغاز کریں۔ پھر آپ دیکھیں گے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ کی نصرت ہمارے استقبال کے لیے آتی ہے۔ پھر ہم نہ امریکہ سے ڈریں گے اور نہ مودی سرکار کی مداخلت کی کوئی پرواہ ہوگی۔ نہ ہم کسی کے مقروض رہیں گے اور نہ ہی کسی سے قرض اور مدد کی خواستگاری کی بنا پر اس کے ہر فرمان پر ہاں کریں گے۔

فساد کو فساد جان کر ختم کرنے کا عزم لے کر ہمیں آگے بڑھنا ہے۔ ہم سے پہلی اُمت کے متعلق سورہ بقرہ میں آیت نمبر 85 کو ذرا پڑھیے جہاں فرمایا ''کیا تم کتاب کے بعض حصوں

(تعلیمات) کو مانتے اور بعض کو نہیں مانتے۔ تو تم میں سے جو کوئی ایسا طرز عمل اختیار کرے تو اس کے لیے دنیا میں شرمندگی اور رسوائی ہے اور آخرت میں سخت عذاب سے دوچار کیا جائے گا اور اللہ تمہارے کرتوتوں سے بے خبر نہیں"۔

اس آیت مبارکہ کے آئینہ میں ہمیں اپنا چہرہ دیکھنا چاہیے۔ اس گھمبیر صورت حال سے نکلنے کا واحد راستہ یہ ہے کہ ہم اپنے دین اور نظریۂ پاکستان کے ساتھ اپنا کمٹمنٹ ایک دفعہ دوبارہ شعوری طور پر تازہ کر کے اس کی تجدید کریں اور انفرادی، اجتماعی اور سٹیٹ لیول پر توبہ کر کے اللہ کی طرف رجوع کریں اور منافقانہ کردار کو تج کر کے ذاتی اور اجتماعی زندگی سے ہر قسم کے فساد کو نکالنے کے لیے صحیح خطوط پر جہاد (جہدوجہد وسعی) کریں۔ حکومت اور پارلیمنٹ میں بیٹھے ہوئے عوامی نمائندگان کے لیے بدرجہ اولیٰ اس توبہ کا اہتمام کرنا چاہیے کہ وہ اللہ کے غضب کو مزید دعوت دینے سے باز آئیں اور صحیح قانون سازی کے ذریعے یہاں پر آسمانی قانون کو نفاذ کر کے اس قوم کو ہر قسم کے "فساد" سے بچانے کی فکر کریں۔ یاد رکھیں یہ سرسری کتر بیونت اس کینسر کا علاج نہیں ہوسکتا جس میں یہ قوم گرفتار ہو چکی ہے۔

---

## سَیِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُھُمْ

قوم کا سردار ان کا خادم ہوتا ہے

## 25روزہ قرآن فہمی کورس کے

# شرکاء کے تاثرات

ماہِ فروری 2017ء میں قرآن اکیڈمی جھنگ میں 25روزہ ''پھر سوئے حرم لے چل'' کورس منعقد ہوا، جس میں پندرہ افراد نے شرکت کی۔اس کورس کے شرکاء کے تاثرات شاملِ اشاعت کیے جارہے ہیں۔ (ادارہ)

☆ **محمد یوسف صاحب (جھنگ) :** 25روزہ کورس میں جو کچھ سیکھا ہے اس پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کروں گا۔اس میں سب سے پہلے اپنے اوپر اور اس کے بعد گھر والوں پر اور اس کے بعد جہاں تک اللہ نے توفیق دی قرآن پاک کے قوانین لاگو کرنے کی کوشش کروں گا۔

☆ **محمد اویس علی خان (جھنگ):** میں مشکور ہوں قرآن اکیڈمی کے تمام اساتذہ کا جنہوں نے مجھے دین اور قرآن مجید کی تعلیم کے بارے میں آگاہ کیا اور ہمیں زندگی گزارنے کا طریقہ بتایا۔

☆ **محمد رمضان فرید صاحب (جھنگ):** دینی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کا جذبہ پیدا ہوا اس کورس سے مجھے بہت زیادہ علم حاصل ہوا، دین کا ٹھیک تعارف حاصل ہوا قرآنی علوم کی حقیقت واضح ہوگئی اور ایک جذبہ پیدا ہوا۔اللہ پاک باقی زندگی میں دین پر عمل کرنے کی توفیق دے۔آمین

☆ **محمد رمضان انیس صاحب (جھنگ):** میرا یہ فیصلہ ہے آئندہ ساری زندگی دینِ حق کی بات اس انجمن کے ساتھ مل کر فاروقی صاحب کے مشن کو آگے بڑھایا جائے۔میرا جو بھی بس ہوگا میں خدمت میں لگانے کی کوشش کروں گا۔اللہ تبارک وتعالیٰ انجمن کے دینِ حق کے مشن کو اور فاروقی صاحب کی ان تھک کوشش کو رنگ لائے اور دینِ حق ساری دنیا میں پھیل جائے۔(آمین)

☆ **محمد رئیس شاہ صاحب (جھنگ):** میں نے مطالعہ قرآن حکیم سے بہت کچھ پایا ہے اور گھر والوں کو بھی سیدھے راستے پر چلنے کی خاص تاکید کی ہے اور میں خود بھی قرآن حکیم کو پڑھ کر اور ترجمہ کو غور سے سمجھ کر عمل کرتا رہوں گا اور دوسروں کو بھی دین اسلام پر چلنے کی تبلیغ کروں گا خاص کر ان سب احادیث مبارکہ، تاریخ اسلام اور کلام اقبال کی تشریح سن کر مجھے پہلے سے بھی زیادہ شوق پیدا ہوگیا ہے۔

☆ **محمد افضل راہی صاحب (جھنگ):** میں نے اس درس کو بہت اچھا پایا۔اس سے انسان کو توبہ

کی توفیق ملتی ہے اور صحیح راستہ متعین کرنے میں بہت مدد ملتی ہے، جو مجھے بھی ملی ہے۔ خدا مجھے توبہ کی توفیق دے اور اس پر قائم رہنے کی توفیق دے۔ آمین

☆ **محمد نواز کلیار صاحب (جھنگ):** مجموعی طور پر قرآن فہمی کورس بہت اچھا رہا۔ ایمان و یقین میں اضافہ ہوا۔ سستی اور کاہلی سے دل پر جو زنگ تھا صاف ہوا ہے۔ قرآن فہمی اور اس نورِ ہدایت سے محبت اور لگاؤ میں اضافہ ہوا ہے۔ اقبال کے مردِ مومن اور انقلابی جوان روایتی مدرسوں سے نکلنے کی قطعی امید نہ ہے۔ میرے خیال میں انقلابی جوان کالجوں اور یونیورسٹیوں سے ہی نکلیں گے جن کے لیے طریقہ کار بدلنے کی ضرورت ہے۔

☆ **صہیب عبداللہ صاحب (حویلی بہادر شاہ، جھنگ):** چند شر انگیز اور قدامت پسند لوگوں کی وجہ سے آج دین اسلام کی پیشانی پر جو داغ لگا ہے اس کو صاف کرنے اور دین اسلام کے حقیقی مقاصد سے انسانیت کو روشناس کرانے میں قرآن اکیڈمی ایک بنیادی سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے اور ان شاء اللہ یہ اپنے مقاصد میں کامیاب رہے گی۔

☆ **غضنفر عباس صاحب (جھنگ):** بنیادی سطح پر یہ ادارہ دین اسلام کی بنیادی تعلیمات کو اجاگر کرتا ہے اور دینی تعلیمات کو پھیلانے میں اہم کردار ادا کر رہا ہے۔

☆ **حافظ نزاکت اللہ شاہ صاحب (جھنگ):** اس ادارہ اور کلاس میں فرقہ واریت، لسانیت وغیرہ ہرگز ہرگز نہ پائی گئی۔ جو کہ آج کے دور میں امن سے رہنے کے لئے سب سے بڑی مددگار ہے اور آخرت میں اچھی کامیابی کا انعام ہے۔

☆ **محمد رمضان ساقی صاحب (جھنگ)**

ورثۂ انبیاء کا امیں مل گیا — علم و حکمت سے تدریس قرآن کی
جس کی ہر بات سیرت نبی ﷺ سے ملی — جس کا ہر قول ثابت کرے وحدہٗ — اللہ ہو اللہ ہو
قصص الانبیاء ہیں سنائے گئے — نغمے اصحاب کے گن گنائے گئے
شرک و بدعت سے ایماں بچائے گئے — دین خالص ملا ہے مجھے ہو بہو — اللہ ہو اللہ ہو
ہے دعا یہ ادارہ سلامت رہے — بس سلامت رہے تا قیامت رہے
ہر زباں پر قرآن کی تلاوت رہے — پھیلے اس گل کی خوشبو یونہی کو بکو — اللہ ہو اللہ ہو

☆ **محمد عمر علی اسد صاحب (مدوکی، جھنگ):** اس پروگرام سے ہم اسلام کو سب سے پہلے اپنے پر، پھر اپنے اہل و عیال پر، پھر اپنے محلّہ اور ساری دنیا پر پھیلا سکتے ہیں اور عمل پیرا ہو کر اسلام کو ایک نئی روح کے ساتھ دوبارہ زندہ کریں گے۔ _____

ان شاءاللہ العزیز

# قرآن اکیڈمی جھنگ

میں

## 25روزہ قرآن فہمی کورس کل وقتی

# پھر سوئے حرم لے چل

**6اپریل تا30اپریل2017ء**

مئی، جولائی 2017ء

جس میں ترجیحاً انٹرمیڈیٹ تعلیم کے حامل طلباء، کاروباری و ملازمت پیشہ اور بے روزگار حضرات شریک ہو سکتے ہیں تاکہ قران مجید کے ساتھ ساتھ دیگر دینی علوم سیکھ کر عملی زندگی میں باعمل مسلمان کی زندگی بسر کر سکیں۔

معلومات کے لیے 20روپے کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر اس تربیتی کورس کا بروشر مفت حاصل کریں یا hikmatbaalhga@yahoo.com پر بروشر کے حصول کے لیے درخواست ای میل کریں

اپنی فرصت کے مطابق بذریعہ فون یا ای میل اپنا نام رجسٹر کرائیں

قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر

0336-6778561

# فرمودۂ اقبال

## شانِ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ

آں اَمَنَّ النَّاس برمولائے ما
آں کلیمِ اوّلِ سینائے ما
ہمتِ او کشت ملتّ را چو ابر
ثانیٔ اسلام و غار و بدر و قبر

وہ (صدیق اکبر رضی اللہ عنہ) جن کے احسانات ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم پر
سب لوگوں سے زیادہ تھے، وہ (صدیق اکبر رضی اللہ عنہ) جو
ہمارے طورِ سینا (اسلام کا نورِ ہدایت) کے پہلے
کلیم تھے۔ ان کی ہمت و عزم نے ملت کی کھیتی
کے لیے ابر کا کام کیا۔ وہ اسلام، غار،
بدر اور اب قبر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کے ساتھ دوسرے ہیں۔

قرآن اکیڈمی جھنگ کے آڈیٹوریم میں

## ایک اھم سیمینار

# فکر اقبال کی روشنی

21ویں صدی میں ایک جدید اسلامی نظریاتی فلاحی عوامی ریاست

# پاکستان کے نظامِ تعلیم ___ کے خدوخال

پروگرام ان شاءاللہ

23اپریل2017ء، بروز اتوار

10:30 بجے تا1:00 بجے دوپہر

(یہ سیمینار19 مارچ کو بوجوہ نہیں ہوسکا)

زیرصدارت : ڈاکٹر ابصار احمد صاحب

سابق صدر شعبہ فلسفہ، پنجاب یونیورسٹی۔ صدر مرکزی انجمن خدام القرآن

مہمانانِ گرامی : ڈاکٹر طالب حسین سیال صاحب، اسلام آباد

ڈاکٹر محمد حسین صاحب جوہر آباد

ڈاکٹر ہارون الرشید تبسم صاحب سرگودھا

شرکت کی دعوت عام ہے خواتین کے لیے علیحدہ انتظام ہے